نومبر 2024ء
ماہنامہ
کرائم بیورو
کراچی
ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت
KARACHI
JOURNALISM
NEWS
اسرائیل کی سب سے مہنگی جنگ
آزاد میڈیا اور آزاد صحافت
26 ویں آئینی ترمیم کی منظوری سے کسے کیا ملا؟
تخلیقِ کائنات
الٰہی بخش سومرو
ملکی سیاست میں شرافت وضعداری کا باب ہمیشہ کیلئے بند
کراچی کے شیرشاہ بازار میں کمپیوٹر کے
کچرے سے خالص سونے کی تلاش
کلامِ بابا گرونانک
PRESIDENTIAL ELECTION
2024
ٹرمپ آگیا، کیا عمران بھی باہر آئے گا؟
ڈونلڈ ٹرمپ دوسری مرتبہ امریکا کے صدر منتخب، کملا ہیرس کو شکست
رضوان کو سانس لینے کی بھی فرصت نہ ہوگی

ماہنامہ

ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت

کرائم بیورو

کراچی

- آج کے جدید ترین ٹیکنالوجی سے لیس سوشل میڈیا کے دور میں ہم تحقیقاتی صحافت کو زندہ رکھنے کا عزم لئے ایک ماہنامہ میگزین کا اجراء کرچکے ہیں جس میں سینئر اور تحقیقی صحافیوں پر مشتمل تجربہ کار ٹیم کی مجلس ادارت ہے۔ میگزین کا فوکس کرائم کے شعبے سے جڑے تحقیقاتی مضامین سے ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ میگزین کا ہر شمارہ ہر مہینے کی ایک دستاویز کی حیثیت کا حامل ہو۔
- کراچی، اسلام آباد، لاہور، حیدر آباد، فیصل آباد، سکھر، پشاور، کوئٹہ سمیت تمام چھوٹے بڑے شہروں سے بیورو چیفس اور ضلعی نمائندگان کے تحقیقاتی مضامین اور رپورٹس آپ کو نہ صرف چونکائیں گی بلکہ ارباب اختیار کو ایکشن میں آنے پر مجبور بھی کریں گی۔

ہماری ٹیم میں شامل ہونے اور میگزین کا حصہ بننے کیلئے رابطہ کریں

واٹس ایپ نمبر: 0300-2056305 - 0312 9222794

MONTHLY CRIME BEURU KARACHI

ماہنامہ

کرائم بیورو

کراچی

ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت

جلد نمبر 04 / نومبر 2024 / شمارہ نمبر 02

قیمت: 200 روپے

فرمان مصطفیٰ ﷺ

جو لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو جھوٹ موٹ فقیر ظاہر کریگا وہ سچ مچ ہی فقیر ہو جائے گا۔

(حوالہ: تحف العقول جلد اول صفحہ 99)

کلام الٰہی

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔

(سورۃ الجمعۃ: 10)

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
کراچی پولیس چیف کی تاجر رہنماؤں کو مسائل کے حل کی یقین دہانی	04
اسرائیل کی سب سے مہنگی جنگ	05
26ویں آئینی ترمیم کی منظوری سے کسے کیا ملا؟	06-07
قاضی فائز عیسٰی کے بغیر 26ویں آئینی ترمیم ممکن نہیں تھی	08-09
ٹرمپ آیا تو کیا خان بھی باہر آجائے گا؟	10
صحافت کا مستقبل محفوظ کیسے بنایا جائے؟	11
کراچی کا شیر شاہ بازار: کمپیوٹر کے کچرے سے خالص سونے کی تلاش	12-13
کرائم بیورو میگزین وکلاء برادری میں چھا گیا	14
کراچی میں ذائقے اور ثقافت سے بھرپور ایرانی کیفے بند کیو ہو رہے ہیں؟	15
آزاد میڈیا اور آزاد صحافت	16
شکارپور کی مٹی کے مادھو پیر الٰہی بخش سومرو	17
کلام بابا گرونانک	18
تخلیقِ کائنات	19
کربلا و انسانیت اور ظلم؟	20
5 سال تک جعلی عدالت لگانے والے جعلی جج کیسے پکڑے گئے؟	21
محمد رضوان کو سانس لینے کی بھی فرصت نہ ہو گی	22
کراچی میں جدیدیت کے بعد گدھا گاڑیوں کا دم توڑتا پیشہ	23
نرگس کا اپنے شوہر پر تشدد کا الزام	24
پی آئی اے نجکاری: صرف 10 ارب روپے کی بولی کیوں؟	25
گلبرگ ٹاؤن: کرپٹ افسران کی سرپرستی میں بلڈر بے لگام	26
قید خانوں اور تھانوں کا قیام اور مقصد	27
ملیر ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے مرکزی کردار عرفان بیگ کی کرپشن بے نقاب	28
آرمی چیف کی مدت ملازمت 05 سال کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟	29
شاہ برطانیہ کے قتل کی ناکام کوشش	30

پبلشر فضیل امر نے خرم پرنٹنگ پریس پاکستان چوک سے چھپوا کر آفس نمبر ایک پاکستان ہاؤسنگ اتھارٹی قائد آباد ملیر سے شائع کیا

چیف ایڈیٹر: شیخ حسین امر

ایڈیٹر: عرفان ساگر

ڈپٹی ایڈیٹر: مارشا امر

منیجنگ ایڈیٹر: معظمہ جٹ

ایڈیٹر انوسٹی گیشن: شکیل ناچ

مجلس ادارت:

ظہیر میرانی، راؤ جمیل، آغا خالد، ضیاء الرحمان، ڈاکٹر جعفر عباس
سمیر قریشی، غازی صلاح الدین، فاروق مرزا (امریکہ)
عبدالوحید جیلانی، افضل سندھو، کامران خان، اسد اللہ خان

چیف رپورٹر:

انور سلطان

کرائم رپورٹرز:

عمیر خان، راؤ عدنان، عبداللہ گدی، سہیل آرائیں
سلطان چاگی سومرو، احسن کندی (فیصل آباد)

چیف فوٹو گرافر:

عبدالستار قریشی

بیورو چیف:

جاوید رشید صدیقی (اسلام آباد)
سعدیہ حق (لاہور)
غلام شبیر (چنیوٹ)

نمائندگان:

سوات: ابرار احمد، پنو عاقل: مراد عباسی، چنیوٹ: ساجد علی شاہ

انچارج سندھ ڈیسک:

سید انعام شاہ

قانونی مشیران:

امجد حسین قریشی ایڈووکیٹ، سید عثمان الحسن ایڈووکیٹ
بیرسٹر نظر اقبال (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

کراچی پولیس چیف کی تاجر رہنماؤں کو مسائل کے حل کی یقین دہانی

کراچی پولیس چیف ایڈیشنل آئی جی جاوید عالم اوڈھو سے شیر شاہ ایسوسی ایشن کے صدر ملک زاہد دہلوی نیو فد کے ساتھ کی ملاقات کی۔ جس میں اولڈ سٹی تاجر اتحاد کے صدر حماد پوناوالا، جوڑیا بازار ایسوسی ایشن کے عبدالقادر بھولو، سینئر تاجر رہنما حامد قریشی، نعمان قریشی، رنچھوڑ لائن ایسوسی ایشن کے صدر عبدالرشید، عبدالخالق آغا جان، منصور کادوانی بھی موجود تھے۔ کراچی پولیس چیف جاوید عالم اوڈھو نے مسائل کے حل کی یقین دہانی کرائی۔ اس موقع پر کرائم بیورو کے رپورٹر عبداللہ گدی نے کراچی پولیس چیف کو کرائم بیورو کا شمارہ بھی دیا۔ جسے کراچی پولیس چیف نے سراہا۔

وفد نے پولیس چیف سے ملاقات پر مسرت کا اظہار کیا اور شہر میں امن وامان کی صورتحال پر کیے گئے اقدامات کو سراہا۔

وفد نے پولیس چیف کو کباڑی مارکیٹس اور ٹریفک کے حوالے سے درپیش مسائل سے آگاہ کیا جنھیں ایڈیشنل آئی جی نے سنا اور ترجیحاتی بنیادوں پر حل کرنے کی یقین دہانی کرائی۔

اجلاس کے اختتام پر وفد نے پولیس چیف کو پھولوں کا گلدستہ اور اجرک پیش کرتے ہوئے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

اسرائیل کی سب سے مہنگی جنگ

اسرائیلی معیشت حماس اور حزب اللہ سے جنگوں کی وجہ سے کیسے متاثر ہوئی؟

اسرائیل کی ’سب سے مہنگی جنگ‘: اسرائیلی معیشت حماس اور حزب اللہ سے جنگوں کی وجہ سے کیسے متاثر ہوئی؟

گزشتہ ایک سال کے دوران اسرائیل نے ہزاروں فوجی غزہ اور جنوبی لبنان بھیجے، ہزاروں فضائی حملے کیے اور اپنے فضائی دفاعی نظام پر لاکھوں ڈالر خرچ کیے تا کہ میزائلوں اور ڈرون حملوں کو روکا جا سکے۔

اسرائیلی حکومت کا تخمینہ ہے کہ حماس اور حزب اللہ کے خلاف جو جنگیں اس نے شروع کر رکھی ہیں، ان کی قیمت مجموعی طور پر 60 ارب ڈالر تک پہنچ سکتی ہے۔ ایسے میں اسرائیلی معیشت پر ان جنگوں کے اثرات واضح ہونا شروع ہو چکے ہیں۔

اسرائیل کو جنگوں کی کیا قیمت ادا کرنا پڑ رہی ہے؟

اسرائیلی وزیر خزانہ بزالیل سموترچ نے اسرائیلی اسمبلی کو ستمبر 2024 میں بتایا تھا کہ ’یہ اسرائیلی تاریخ کی سب سے طویل اور مہنگی جنگ ہے۔‘ انھوں نے کہا تھا کہ جنگ کا خرچہ 54 ارب سے 68 ارب ڈالر تک ہو سکتا ہے۔

اسرائیل کی جانب سے لبنان پر بمباری اور پھر جنوبی لبنان پر زمینی حملے کے ساتھ ساتھ ایران کے خلاف میزائل حملے اس قیمت کو مزید بڑھا دیں گے۔

برطانیہ کی شیفلیڈ ہالم یونیورسٹی کے ماہر معیشت ڈاکٹر امر کا کہنا ہے کہ ’جنگ میں وسعت کے بعد لاگت کا تخمینہ 93 ارب ڈالر تک پہنچ سکتا ہے اگر یہ جنگ 2025 میں بھی جاری رہتی ہے۔‘

یہ اسرائیل کی سالانہ آمدن کا چھٹا حصہ ہو گا جو مجموعی طور پر 530 ارب ڈالر ہوتا ہے۔

اسرائیل جنگ کا خرچہ کیسے پورا کر رہا ہے؟

بینک آف اسرائیل نے حکومتی بانڈز کی فروخت میں اضافہ کیا ہے تا کہ جنگ پر اٹھنے والے اخراجات کے لیے قرضہ لیا جا سکے۔ صرف مارچ 2024 میں آٹھ ارب ڈالر کی رقم ایسے ہی حاصل کی گئی۔

اسرائیل ملک کے اندر اور باہر بھی بانڈز فروخت کرتا ہے جن میں بیرون ملک مقیم اسرائیلیوں کے لیے خصوصی بانڈز شامل ہوتے ہیں۔

تاہم بینک آف اسرائیل کے اعداد و شمار سے علم ہوتا ہے کہ اب بیرون ملک رہنے والے لوگ اسرائیلی حکومت کے بانڈز خریدنے میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے۔ بینک کے مطابق نو فیصد سے بھی کم بانڈز بیرون ملک مقیم لوگوں کے پاس ہیں۔ یہ تعداد ستمبر 2023 کے مقابلے میں تقریباً پانچ فیصد تک کم ہے جب اسرائیل اور حماس کے درمیان تنازع کا آغاز ہوا تھا۔

ایئرفورس کے زیرِ زمین سینٹر سے حملوں کی کمانڈ: ایران پر اسرائیلی حملوں سے متعلق اب تک ہم کیا جانتے ہیں؟

تل ابیب یونیورسٹی کے ماہر معیشت پروفیسر مینوئیل کہتے ہیں کہ ’اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حکومتی بانڈز پر شرح سود میں اضافہ ہوا اور یوں غیر ملکی خریداروں کی دلچسپی بڑھی۔‘ ان کے مطابق حکومت کو جو قرضہ واپس کرنا ہو گا اس پر شرح سود میں ڈیڑھ فیصد تک اضافہ ہوا ہے۔

> ایک سال کے دوران اسرائیل میں کئی کمپنیوں کو عملے کی کمی کی شکایت کا سامنا بھی رہا جس کی وجہ سے ان کی کاروباری صلاحیت اور پیداوار متاثر ہوئی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حماس سے جنگ کے آغاز کے ساتھ ہی اسرائیلی فوج نے تین لاکھ 60 ہزار ریزرو اہلکاروں کو بلا لیا تھا۔ اگرچہ ان میں سے بہت سے واپس آ چکے ہیں تاہم لبنان میں کارروائی کے وقت 15 ہزار کو واپس بلا لیا گیا تھا۔

اگست 2024 کے آغاز سے تین بین الاقوامی مالیاتی کریڈٹ ایجنسیوں، موڈیز، فچ اور سٹینڈرڈ، نے اسرائیلی حکومت کے قرضوں کی ریٹنگ میں کمی کی ہے۔

تل ابیب کے انسٹیٹیوٹ آف نیشنل سکیورٹی سٹڈیز کے ڈاکٹر تمر کہتے ہیں کہ ’ایسا اس لیے نہیں کیا گیا کیوں کہ ان ایجنسیوں کو یہ لگتا ہے کہ اسرائیلی حکومت قرضہ واپس نہیں کر سکتی۔‘

تاہم ان کا کہنا ہے کہ ان ایجنسیوں کو حکومت کی حکمت عملی کی وجہ سے خسارے کے بارے میں خدشات ہیں۔

اسرائیل ڈیموکریسی انسٹیٹیوٹ کے ماہر معیشت اور بینک آف اسرائیل کے سابق گورنر پروفیسر کرنیٹ فلگ کہتی ہیں کہ ’اسرائیلی حکومت تقریباً 10 ارب ڈالر تک ٹیکس چھوٹ کا خاتمہ اور ساتھ ساتھ نئے ٹیکسوں پر غور کر رہی ہے۔‘

ان کے مطابق ایسے اقدامات کی مخالفت ہو گی جس میں چند حکومتی اتحادی بھی شامل ہوں گے۔

پروفیسر اسٹیون کا کہنا ہے کہ ’عسکری حکمت عملی کے ساتھ کوئی معاشی سٹریٹجی موجود نہیں ہے۔‘

اسرائیلی معیشت کو جنگوں نے کیسے متاثر کیا ہے؟

اکتوبر 2023 میں اسرائیل ی معیشت مضبوطی سے ترقی کر رہی تھی لیکن جنگ کے بعد سے یہ زوال پذیر ہوئی ہے۔ گزشتہ سال عالمی بینک کے مطابق اسرائیلی جی ڈی پی عشاریہ ایک فیصد تک کم ہوا۔

دوسری جانب بینک آف اسرائیل کا اندازہ ہے کہ رواں سال ترقی کی رفتار صرف عشاریہ پانچ فیصد تک رہے گی۔

ایک سال کے دوران اسرائیل میں کئی کمپنیوں کو عملے کی کمی کی شکایت کا سامنا بھی رہا جس کی وجہ سے ان کی کاروباری صلاحیت اور پیداوار متاثر ہوئی۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حماس سے جنگ کے آغاز کے ساتھ ہی اسرائیلی فوج نے تین لاکھ 60 ہزار ریزرو اہلکاروں کو بلا لیا تھا۔ اگرچہ ان میں سے بہت سے واپس آ چکے ہیں تاہم لبنان میں کارروائی کے وقت 15 ہزار کو واپس بلا لیا گیا تھا۔

اس کے علاوہ اسرائیلی حکومت نے سکیورٹی وجوہات کی بنا پر غزہ اور غرب اردن سے دو لاکھ 20 ہزار فلسطینیوں پر بھی اسرائیل میں داخل ہونے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ اس سے خصوصی طور پر تعمیراتی شعبہ متاثر ہوا ہے جس میں 80 ہزار فلسطینی کام کرتے تھے۔ ان کی جگہ لینے کے لیے اب سری لنکا، انڈیا اور ازبکستان سے ہزاروں مزدوروں کو رکھا جا رہا ہے۔

پروفیسر فلگ کے مطابق اسرائیلی معیشت جنگ ختم ہونے کے بعد دوبارہ مضبوط ہو سکتی ہے۔ انھیں اسرائیلی ٹیکنالوجی شعبے پر اعتماد ہے جو ملکی معیشت کا پانچواں حصہ فراہم کرتا ہے۔

تاہم ان کا کہنا ہے کہ یہ حقیقت ہے کہ یہ جنگ کسی بھی جنگ سے زیادہ عرصے تک چلی ہے اور اس نے آبادی کے بڑے حصے کو متاثر کیا ہے جس سے معیشت کی بحالی کا عمل کمزور اور زیادہ طویل ہو سکتا ہے۔

26ویں آئینی ترمیم کی منظوری سے کسے کیا ملا؟

20 اکتوبر کو رات گئے قومی اسمبلی اور سینیٹ میں 26ویں آئینی ترمیم کا بل دو تہائی اکثریت سے منظور ہوا تو پاکستان کے سیاسی منظر نامے پر ہفتوں سے جاری اگر، مگر، کیونکہ اور چنانچہ کی گردان اور وسوسوں کی گرد بیٹھتی دکھائی دی۔

26ویں آئینی ترمیم کے نکات پر سیاسی جماعتوں کے اتفاق سے لے کر منظوری تک تقریباً دو ماہ کے عرصے میں سیاستدانوں کی ملاقاتیں، تجاویز، اختلافات، پارلیمانی کمیٹی کی تشکیل، مسودے، روٹھنا منانا یہ سب کچھ شہ سرخیوں میں زیر بحث رہا۔ تاہم اب ترمیم کی منظوری کے بعد یہ بحث جاری ہے کہ اس تمام تر عمل سے حکومت اور اپوزیشن جماعتیں سیاسی طور پر کیا حاصل کر پائی۔

مولانا فضل الرحمان اور بلاول بھٹو کے درمیان دن میں کئی بار ملاقات کے مناظر ہوں، حکومتی وزرا کے 'نمبر گیم' پوری ہونے کے دعوے اور 'اتفاق رائے' پر بیان بازی ہو یا پی ٹی آئی کا پارلیمانی کمیٹی میں شرکت کے باوجود سفارشات پیش نہ کرنے کی بحث۔۔۔اس آئینی ترمیم کے لیے ہونے والی بیٹھکوں میں پارلیمان کی سب ہی جماعتیں پیش پیش دکھائی دیں۔

مگر یہاں یہ سوال بھی اہم ہے کہ اس تمام تر ہلچل کے دوران سیاسی طور پر کس کے ہاتھ کیا آیا؟ حکومت کو کتنا سمجھوتہ کرنا پڑا اور اپوزیشن میں رہتے ہوئے کون سب کا منظور نظر رہا؟

'مولانا فضل الرحمان نے ذہانت اور ہوشیاری کے ساتھ اپنے پتے کھیلے'

پارلیمانی امور اور پاکستانی سیاست پر نظر رکھنے والے بیشتر تجزیہ کاروں کا ماننا ہے کہ 26ویں آئینی ترمیم کے مسودے کی تیاری سے منظوری تک کے تمام عرصے میں جو شخصیت سیاسی طور پر سب سے نمایاں اور اہم دکھائی دی وہ بلاشبہ جمعیت علما اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمان کی تھی۔

یاد رہے کہ جے یو آئی کی فروری 2024 کے عام انتخابات کے بعد قومی اسمبلی میں صرف آٹھ اور سینیٹ میں پانچ نشستیں ہیں۔ مگر اس آئینی ترمیم کے مسودے کی تیاری کے دوران فضل الرحمان نہ صرف سیاستدانوں میں 'ہاٹ فیورٹ' دکھائی دیے بلکہ میڈیا پر بھی ان کی ملاقاتوں، بیانات اور معاملہ فہمی سب سے زیادہ زیر بحث رہی۔

مولانا فضل الرحمان نے آئینی ترمیم کے مسودے کی تیاری کے دوران موقع کا فائدہ کیسے اٹھایا؟ اس سوال کے جواب میں صحافی اور اینکر عاصمہ شیرازی نے کہا کہ 'انھوں نے ذہانت اور ہوشیاری کے ساتھ اپنے کارڈز کھیلے اور اس پورے عرصے میں انھوں نے پی ٹی آئی کو سیاسی طور پر پورا موقع دیا کہ وہ اپنا کردار ادا کرے۔'

عاصمہ شیرازی نے جمعیت علما اسلام کے کردار کو سراہتے ہوئے کہا کہ 'بھلے وہ اپوزیشن ہو پیپلز پارٹی ہو یا حکومت، اس ایک ماہ کے دوران سب کی توجہ کا مرکز مولانا فضل الرحمان ہی رہے ہیں۔ مولانا فضل الرحمان کا کردار قومی اسمبلی میں اپنی آٹھ نشستوں کے ساتھ قائد حزب اختلاف کا رہا جبکہ 90 نشستوں والی جماعت ایک طرح سے بے اختیار نظر آئی۔'

دوسری جانب صحافی اور اینکر پرسن سید طلعت حسین مولانا فضل الرحمان کے مرکز نگاہ ہونے پر تو متفق دکھائی دیتے ہیں تاہم ان کا کہنا ہے کہ 'آخر میں تو مولانا فضل الرحمان کے پاس بھی (ماننے کے سوا) کوئی آپشن نہیں تھا۔'

طلعت حسین کا کہنا ہے کہ 'مولانا فضل الرحمان میڈیا کی توجہ کا مرکز

کے سیاسی منظر نامے میں گویا کنارے پر دکھائی دے رہے تھے انھوں نے اس سارے عمل میں خود کو 'ری اینویٹ' کیا ہے اور ثابت کیا کہ قومی اسمبلی میں آٹھ نشتوں کے ساتھ وہ کس طرح پاکستان کے جمہوری نظام میں تمام توجہ کا مرکز اور محور بن گئے۔

انھوں نے دو چیزیں حاصل کیں جن میں سے ایک واضح نظر آ رہی ہے اور دوسری ابھی اوجھل ہے۔ سب سے پہلے انھوں نے اپنے سیاسی وزن کو استعمال کرکے آئینی ترمیم کا مسودہ اپنی مرضی کے مطابق بنوایا اور دو بڑی جماعتوں کو مجبور کیا کہ وہ ان کی وکٹ پر آ کر کھیلیں اس سے نہ صرف ایک بار پھر ان کے سیاسی قد کاٹھ میں اضافہ ہوا بلکہ حکومت اور اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ ورکنگ ریلیشن شپ میں ان کا اپ ہینڈ آ گیا ہے۔

دوسری چیز جو ابھی نظر نہیں آ رہی وہ وہ سیاسی فائدے ہیں جنھوں نے ابھی شکل اختیار نہیں کی۔ یہ ممکن نہیں کہ مولانا اتنا کچھ کریں اور پھر اپنا دامن جھاڑ کر واپس چلیں جائیں گے وہ کچھ نہ کچھ ساتھ لے کر جائیں گے۔

طلعت حسین کے مطابق 'حکومت کی جانب سے انھیں عندیہ دے دیا گیا تھا کہ اگر مزید تعطل ڈالا گیا تو ترمیم ان کے بغیر بھی منظور کروالی جائے گی جس کے بعد انھوں نے اپنا وزن بہت زیادہ نہیں ڈالا۔'

دوسری جانب پاکستانی پارلیمان کی کارکردگی پر نظر رکھنے والی تنظیم پلڈاٹ کے سربراہ احمد بلال محبوب نے مولانا فضل الرحمان کے آئینی ترمیم میں کردار کو آئندہ انتخابات میں زیادہ نشستیں حاصل کرنے سے جوڑا۔

ان کا کہنا ہے کہ 'اس سارے عمل میں مولانا فضل الرحمان نے آئینی ترامیم کی تراش خراش اس طرح کی ہے کہ حکومت کو اس سے بہت زیادہ فائدہ بھی نہیں لینے دیا اور اسے باقی جماعتوں کے لیے بھی قابل قبول بنا دیا ہے۔'

انھوں نے دعویٰ کیا کہ 'حتی کہ اگر عمران خان اس کو ووٹ نہ کرتے تو بنے رہے اور لوگ ان کے پاس آتے بھی رہے لیکن آخر میں ان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر ان کے لوگ نہیں بھی ووٹ نہیں کریں گے تب بھی حکومت ترمیم منظور کروالے گی۔ تو ان کے پاس پھر آخر میں کوئی آپشن نہیں رہا تھا۔'

فہد حسین کا کہنا ہے کہ مولانا فضل الرحمان جو کافی عرصے سے پاکستان

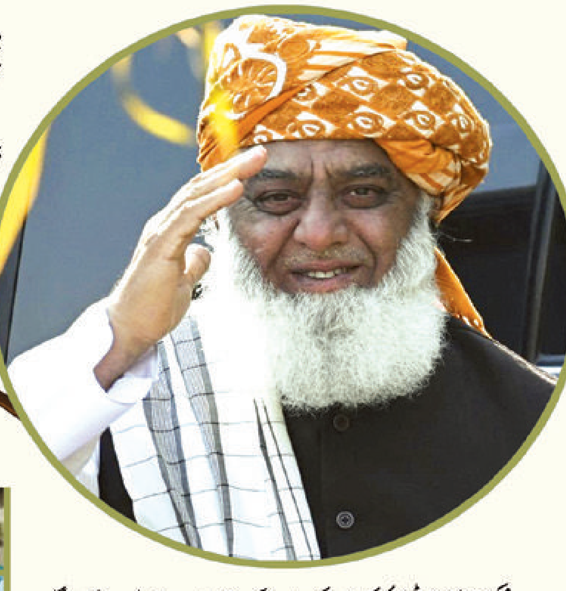

ممکن تھا کہ پی ٹی آئی بھی اس کی حمایت کر دیتی۔ اور میرا خیال ہے کہ اگلے انتخابات میں مولانا کی جماعت کو زیادہ نشستیں ملنے کا قوی امکان ہے۔'

بلاول کا ایکچو ئل لانچ اور مفاہمت کا کردار:

پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین بلاول بھٹو بھی 26ویں آئینی ترمیم کے مسودے سے منظوری تک کے عمل کا کریڈٹ لیتے دکھائی دیے مگر پیپلز پارٹی اس سے کیا سیاسی فائدہ حاصل کر پائی؟

اس سوال پر صحافی طلعت حسین کا خیال ہے کہ اس سارے عمل کے دوران پیپلز پارٹی اور جے یو آئی ف دونوں نے خوب نام کمایا ہے بلکہ بلاول بھٹو کو بھی خوب سیاسی عروج ملا۔

ان کے مطابق 'آئینی ترمیم کی تیاری اور منظوری کے دوران پیپلز پارٹی نے اپنے منشور کے ایک نکتے کو ٹک کیا ہے اور چارٹرڈ آف ڈیمو کریسی کو استعمال کرتے ہوئے ایک نئے قانون کی تشکیل بھی دی ہے۔'

> اس سارے معاملے میں جہاں پاکستان تحریک انصاف مشاورت اور ملاقاتوں میں توجہ کا مرکز رہی وہیں تجزیہ کاروں کے نزدیک پی ٹی آئی سیاسی طور پر وہ حاصل نہ کر سکی جس کو وہ پاسکتی تھی۔ عاصمہ شیرازی کے مطابق 'پی ٹی آئی اس میں اپنا رول تو ادا نہیں کر سکی حالانکہ ان کو آئینی ترمیم کے عمل کا حصہ بننا چاہیے تھا۔ تاہم مولانا نے آخر وقت تک ان کو شامل رکھا۔ اپنی سیاسی اور پارلیمانی طاقت کو استعمال کرنے میں پی ٹی آئی ناکام نظر آئی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ 'اس سیاسی عمل کے دوران بلاول کا سیاسی طور پر 'ایکچو ئل لانچ' ہوا ہے۔ 2024 کے انتخابات میں بھی انھیں وہ عروج نہیں ملا جو انھیں آئینی ترمیم میں کردار ادا کرنے پر شہرت ملی۔'

عاصمہ شیرازی بھی بلاول بھٹو کی جانب سے سیاسی جماعتوں میں مفاہمت کروانے کے کردار کو سراہتی ہیں۔

'بلاول نے جیسے پی ٹی آئی کے ساتھ رابطے کیے اس سے نہ صرف انھوں نے اپنا سیاسی قد بڑھایا بلکہ جس نکتے پر پی پی پی اور مسلم لیگ ن کا اتفاق تھا اس

میں کامیابی حاصل کی اور اپنے ووٹر، سپورٹر کو اپنے منشور کے ساتھ منسلک کرنے میں کامیاب رہے۔'

عاصمہ شیرازی کا دعویٰ ہے کہ 'یہ چیز ان کو مستقبل کی سیاست میں بہت اہمیت دے گی۔ جس طرح پاکستان میں سب کو ساتھ لے کر چلنے اور مصالحت کی ضرورت ہے اس میں بلاول نے اپنا امتحان بخوبی پاس کیا ہے۔'

احمد بلال محبوب آئینی ترمیم سے سیاسی فائدہ اٹھانے والوں میں دوسرے نمبر پر بلاول بھٹو کو رکھتے ہیں۔ 'ایک جمہوری اور متحرک سیاستدان کے طور پر جس طرح وہ اس سارے معاملے میں فعال رہ کر سامنے آئے اس کا ان کے مستقبل پر اچھا اثر ہو گا۔'

احمد بلال کے مطابق 'بلاول بھٹو بہت فعال طریقے سے سیاست دانوں

سے ملے۔ انھوں نے اس مشکل چیلنج کو قبول کیا اور انھی کی کوششوں سے آئینی ترمیم پر سول سوسائٹی کے ساتھ مشاورت کا بھی آغاز ہوا۔'

تحریک انصاف کو مجموعی طور پر ناکامی کا سامنا رہا:

اس سارے معاملے میں جہاں پاکستان تحریک انصاف مشاورت اور ملاقاتوں میں توجہ کا مرکز رہی وہیں تجزیہ کاروں کے نزدیک پی ٹی آئی سیاسی طور پر وہ حاصل نہ کر سکی جس کو وہ پاسکتی تھی۔

عاصمہ شیرازی کے مطابق 'پی ٹی آئی اس میں اپنا رول تو ادا نہیں کر سکی حالانکہ ان کو آئینی ترمیم کے عمل کا حصہ بننا چاہیے تھا۔ تاہم مولانا نے آخر وقت تک ان کو شامل رکھا۔ اپنی سیاسی اور پارلیمانی طاقت کو استعمال کرنے میں پی ٹی آئی ناکام نظر آئی ہے۔'

دوسری جانب طلعت حسین کے مطابق 'پاکستان تحریک انصاف نے جس معاملے پر تکیہ کیا ہوا تھا وہ اب سیدھا ہو سکتا ہے۔'

ان کے مطابق آئینی ترمیم کی منظوری سے جو انقلابی مزاج عدلیہ کے اندر بنتا دکھائی دے رہا تھا وہ تھم جائے گا۔'

جبکہ احمد بلال محبوب کے مطابق 'پی ٹی آئی بحیثیت ایک سیاسی جماعت کے اپنے کردار کو وہ اہمیت نہیں دیتی جو اسے دینا چاہیے تو بعض اوقات وہ اپنی جماعت کے سربراہ عمران خان کی خواہشات کو پورا کرنے اور ان کی رہائی اور ان کے بارے میں چیزوں کو ہائی لائٹ کرنے میں بعض اوقات اسٹیبلشمنٹ میں چلی جاتی ہے اور اسی کے باعث انھوں نے اس میں ووٹ نہیں کیا۔

'تاہم اچھی بات یہ ہے کہ پارلیمانی کمیٹی کے اجلاس میں شامل رہے اور اپنا رول ادا کیا۔ ان کو آگے بھی اپنا کردار ادا کرتے رہنا چاہیے۔'

حکومت کو کتنا سمجھوتا کرنا پڑا؟

26ویں آئینی ترمیم پر حکومتی جماعت مسلم لیگ ن بھی کریڈٹ لے رہی ہے مگر اگر اس کی جانب سے آئینی ترمیم کے ابتدائی مسودے سے اس کی منظوری تک کے حتمی مسودے کا جائزہ لیا جائے تو حکومت کو کئی نکات پر سمجھوتا کرنا پڑا ہے۔

26ویں آئینی ترمیم کی منظوری کے بعد حکومت کیا اپنے مقاصد میں کامیاب رہی؟ اس سوال پر بھی تجزیہ کاروں کی ملی جلی رائے ہے۔

آئینی عدالت کے مطالبے سے آئینی بینچ کے نکتہ پر اکتفا کرنے میں حکومت کو اپنی سوچ میں کتنی تبدیلی لانا پڑی؟ اس سوال کے جواب میں عاصمہ شیرازی کہتی ہیں کہ 'حکومت کو کچھ ججز سے متعلق تحفظات تھے اور بظاہر لگ رہا تھا کہ وہ منصور علی شاہ کو چیف جسٹس نہیں بنانا چاہتی۔ لیکن اب اس ترمیم کے بعد حکومت کو یہ فائدہ ہو گا کہ جن ججز پر وہ تحریک انصاف کی حمایت کرنے کا الزام لگاتے تھے اب ان میں سے وہ نکل جائیں گے۔'

وہ کہتی ہیں کہ پارلیمانی تاریخ میں کوئی تاخیر یا جلدی کی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ حاصل کیا ہوا وہ اہم ہوتا ہے اور حکومت نے وہ حاصل کیا ہے جو چاہتی تھی۔

تاہم انھوں نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ 'اسٹیبلشمنٹ کے سیاسی کردار پر بھی پارلیمانی جماعتیں اور پارلیمنٹ اسی طرح آگے بڑھے۔'

طلعت حسین کا اس بارے میں کہنا ہے کہ 'حکومت جو چاہ رہی تھی وہ سب کچھ تو اسے نہ مل سکا جس کی شروع میں اسے توقع تھی۔ مگر کم از کم جو اس کی خواہش تھی کہ سپریم کورٹ کے نئے چیف جسٹس کی تعیناتی میں اس کا ایک کردار ہو اس میں وہ کامیاب ہو گئے ہیں۔' طلعت حسین آئینی ترمیم کی منظوری کو حکومت کے بنیادی مقاصد کی کامیابی قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق 'حکومت کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ سپریم کورٹ کے سینئر ججوں کی تعیناتی پارلیمان کے ذریعے ہو۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ آئینی معاملات کو سیاسی اور عمومی معاملات سے علیحدہ رکھا جائے۔ جب عدلیہ میں معاملات جائیں تو آئین کے نام پر کوئی سیاسی کھلواڑ نہ ہو سکے تو حکومت کے بنیادی مقاصد تو پورے ہو گئے۔'

واضح رہے کہ 26ویں آئینی ترمیم کے بعد اب نئے چیف جسٹس کی تقرری میں تین سینئر ججز کے ناموں میں سے ایک نام پارلیمانی کمیٹی تجویز کرے گی اور

اس

کی منظوری وزیر اعظم دیں گے۔ اس کمیٹی میں مختلف سیاسی جماعتوں کو نمائندگی اپنی عددی تناسب سے ملے گی۔ صحافی فہد حسین اس بارے تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'اس تمام صورتحال میں مسلم لیگ ن کو سب سے زیادہ سمجھوتا کرنا پڑا ہے۔ اگر ہم مسلم لیگ کی جانب سے اس مسودے کے ابتدائی مسودے کو دیکھیں تو اس میں اور منظور ہونے والے مسودے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ 'مسلم لیگ ن نے ترمیم کے مسودے پر جہاں سے کام شروع کیا وہ 55 کے قریب نکات تھے جب کہ جو منظور ہوئے وہ اس سے کہیں کم ہیں۔'

تاہم ان کے مطابق 'دوسری جانب مسلم لیگ ن کچھ نہ کچھ حاصل کرنے میں کامیاب رہی جیسا کہ چیف جسٹس کی تعیناتی میں سنیارٹی کو ختم کر کے تین ناموں میں سے ایک کا انتخاب، آئینی بینچ کا بنانا اور سیاستدانوں یا پارلیمانی کمیٹی کے ذریعے جیوڈیشل کمیشن کی تشکیل۔ تو میرے خیال میں مسلم لیگ ن اور ساتھ ہی ساتھ پیپلز پارٹی نے اس ترمیم سے بھی اپنے ہدف حاصل کیے ہیں۔

26TH CONSTITUTIONAL AMENDMENT

قاضی فائز عیسیٰ کے بغیر 26 ویں آئینی ترمیم ممکن نہیں تھی' بلاول بھٹو

پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری نے کہا ہے چیف جسٹس قاضی فائز عیسیٰ کی موجودگی کی وجہ سے ہی حکومتی اتحاد کو 26 ویں آئینی ترمیم لانے کا موقع ملا کیونکہ 'اتنا بڑا کام کسی اور چیف جسٹس کی موجودگی میں ممکن نہیں تھا۔'

بی بی سی کو دیے گئے ایک خصوصی انٹرویو میں بلاول بھٹو زرداری کا مزید کہنا تھا 26 ویں آئینی ترمیم میں جس چیز کو سب سے زیادہ سیاسی رنگ دیا گیا اور اس کی بنیاد پر پورے عمل کو متنازع بنانے کی کوشش کی گئی وہ فوجی عدالتوں کا معاملہ تھا۔

سابق وزیراعظم عمران خان کے حوالے سے پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ اگر ملک سے سیاسی انتقام کی روش کو ختم کرنا ہے تو پہلا قدم اُس آدمی کو اٹھانا پڑے گا جو جیل میں بیٹھا ہوا ہے۔

ن لیگ کی خواہش تھی کہ آرٹیکل آٹھ میں عسکری تنصیبات اور چوکیوں کو شامل کیا جائے'

چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی بلاول بھٹو زرداری نے دعویٰ کیا کہ مسلم لیگ ن کی یہ خواہش تھی کہ 26 ویں آئینی ترمیم کے تحت آئین کے آرٹیکل آٹھ میں تبدیلی کر کے اس آرٹیکل میں فوجی چیک پوسٹوں، چوکیوں اور عسکری تنصیبات کو بھی شامل کیا جائے تاکہ ان مقامات کو نشانہ بنانے والوں کے خلاف، چاہے وہ عام شہری ہی ہوں، فوجی عدالتوں میں مقدمہ چلانا ممکن ہو سکتا۔

ان کا کہنا تھا کہ 26 ویں آئینی ترمیم کے حوالے سے جس چیز کو سب سے زیادہ سیاسی رنگ دیا گیا اور متنازع بنایا گیا وہ فوجی عدالت کی اصطلاح کا استعمال تھا۔ جو لوگ اس (26 ویں آئینی ترمیم کے مسودے پر کام کرنے والے) عمل میں شامل تھے یا میڈیا پر تجزیہ کرنے والے اور وہ پوری لابی جو اس عمل کو متنازع بنانے میں مصروف تھی انھوں نے فوجی عدالتوں کے ساتھ کالا سانپ کی بات جوڑ دی تھی اور کالے سانپ کے نام پر اس پورے عمل کو متنازع بنانے کی کوشش کی گئی۔'

اس پورے معاملے کا پس منظر بتاتے ہوئے انھوں نے کہا کہ 'نو مئی کو کچھ افراد نے کور کمانڈر ہاؤس اور فوجی تنصیبات پر حملہ کیا۔ اور حکومت نے فیصلہ کیا تھا، صحیح تھا یا غلط، کہ جو لوگ عسکری تنصیبات پر حملہ کرنے میں ملوث ہیں ان پر آرمی ایکٹ اور آئین کے آرٹیکل آٹھ کی تشریح کے تحت مقدمہ چلایا جائے۔ اس دوران عدالت نے فیصلہ دیا جس نے 1950 سے چلے آنے والے قانون کو تبدیل کر دیا اور عدالت کی جانب سے آئین کی تشریح کے نتیجے میں حکومت کے فیصلے (فوجی عدالتوں میں مقدمے) پر عملدر آمد میں رکاوٹیں آئیں۔

'عدالت نے یہ کیا کہ آرٹیکل آٹھ میں جہاں 'مسلح افواج کے اہلکار' لکھا ہوا تھا، وہاں اس پوائنٹ کو پکڑ کر کہا کہ اس کا مطلب صرف 'مسلح افواج کے

اہلکار' ہی ہیں اور اس قانون کے تحت (فوجی عدالتوں میں) صرف اُن پر ہی مقدمہ چل سکتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ عدالت نے یہ فیصلہ ایک سیاسی جماعت کو فائدہ دینے کے لیے دیا۔'

بلاول بھٹو کا کہنا تھا کہ 'ہماری تجویز چھوٹی سی تھی جسے انتہائی متنازع بنا دیا گیا، تجویز یہ تھی کہ جہاں 'مسلح افواج کے ارکان' لکھا ہوا ہے اسے بدل کر 'مسلح افواج' لکھ دیا جائے۔ حکومت کی یہ خواہش ضرور تھی کہ اس کا ماضی سے اطلاق ہو اور اس میں مسلح افواج کے ساتھ ساتھ عسکری تنصیبات اور فوجی چوکیاں بھی شامل کی جائیں۔ مگر چوکیوں وغیرہ پر ہمارا بھی اعتراض تھا اور مولانا فضل الرحمان کا بھی۔ اگر اتفاق رائے ہو جاتا تو آرٹیکل آٹھ میں ہم صرف ایک لفظ کی ترمیم کرنے جا رہے تھے، اور اس ایک لفظ کو کالا سانپ بنا دیا گیا اور کالے سانپ کے نام پر اس پورے پراسیس کو متنازع بنانے کی کوشش کی گئی۔'

خیال رہے کہ سینیٹ سے آئینی ترمیم کی منظوری کے بعد تحریک انصاف کے چیئرمین بیرسٹر گوہر کے ہمراہ میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے مولانا فضل الرحمان نے کہا تھا کہ 'ہم نے کالے سانپ کے دانت توڑ دیے ہیں اور اس کا زہر نکال دیا ہے۔'

اتنا بڑا کام کسی اور چیف جسٹس کی موجودگی میں ممکن نہیں تھا

26 ویں آئینی ترمیم سے متعلق 25 اکتوبر کی ڈیڈ لائن سیٹ کرنے سے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے بلاول بھٹو زرداری کا کہنا تھا کہ چیف جسٹس قاضی فائز عیسیٰ کی موجودگی میں ہی انھیں یہ ترمیم لانے کا موقع ملا۔

اُن کے مطابق 'اتنا بڑا کام کسی اور چیف جسٹس کی موجودگی میں ممکن نہیں تھا۔ پاکستان کی عدالتی تاریخ میں صرف ایک شخص ہے، ایک شخص جو ہماری پوری تاریخ میں پارلیمنٹ کی اطاعت کرنے اور آئین کی پیروی کرنے کے لیے تیار تھا، چاہے یہ اُس کی ذاتی طاقت کی قیمت پر ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا ہمارے پاس ایک موقع تھا۔

'ہمارے پاس ایک چیف جسٹس تھا، جو اپنے ساتھی ججوں کے دباؤ کا مقابلہ کر سکتا تھا، جو شاید اسے بھڑکانے کی کوشش کرتے کہ یہ آپ کا معاملہ نہیں بلکہ ججوں کی طاقت کا سوال ہے۔۔۔ ہمارے پاس وہ موقع تھا جب ہمارے پاس ایک ایسا شخص تھا جو ہماری کوششوں کو کمزور نہ کرتا۔'

بلاول بھٹو کا مزید کہنا تھا کہ کہ آرٹیکل 63-اے کا فیصلہ آئین پر مبنی نہیں تھا اور اس کے پیچھے سیاسی مقاصد تھے اور اگر اس نوعیت کے فیصلے نافذ ہو جاتے تو قانون سازی (26 ویں آئینی ترمیم) میں مشکلات پیش آتیں۔

'یہ کوئی نئی پوزیشن نہیں ہے کہ مخصوص نشستوں کے کیس کے فیصلے کو پارلیمنٹ کی طاقت کو کمزور کرنے کے لیے خاص طور پر منصوبہ بندی کے تحت کیا گیا تھا۔ ہمارا موقف واضح ہے کہ آرٹیکل 63-اے کا فیصلہ آئین پر مبنی نہیں تھا اور اس کے پیچھے سیاسی مقاصد تھے۔ یہ ہمارے لیے حقیقت پسندانہ تھا کہ اگر یہ فیصلے نافذ ہو جاتے تو ہمارے لیے قانون سازی میں مشکلات پیش آتیں۔'

مجھے نہیں پتا تھا کہ منصور علی شاہ چیف جسٹس نہیں بنیں گے

بلاول بھٹو زرداری نے یہ بھی کہا کہ 26 ویں آئینی ترمیم کا تعلق 'کسی ایک شخص سے قائم کرنا درست نہیں ہے۔' انھوں نے کہا کہ اس ترمیم کے

مخالفین نے مختلف مواقع پر 'بےبنیاد الزامات' عائد کیے اور اس پورے عمل کو متنازع بنانے کی کوشش کی۔

'یہ سیاسی الزامات اُن (مخالفین) کے خوف کی وجہ سے تھے۔ اسی خوف کے باعث انھوں نے ایک قابل احترام جج اور اس تمام عمل کو سیاسی رنگ دیا۔ اب جب جسٹس منصور علی شاہ، چیف جسٹس نہیں بنے تو یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ پہلے سے ہمارا موقف تھا؟ مجھے نہیں پتا تھا کہ منصور علی شاہ چیف جسٹس نہیں بنیں گے۔'

خیال رہے کہ 26ویں آئینی ترمیم کے بعد بننے والی 12 رُکنی خصوصی پارلیمانی کمیٹی نے منگل کی شب اپنے پہلے ہی اجلاس میں جسٹس یحیٰی آفریدی کو سپریم کورٹ کا اگلا چیف جسٹس نامزد کر دیا تھا اور آئینی ترمیم نہ ہونے کی صورت میں جسٹس منصور علی شاہ نے سب سے سینئر جج ہونے کے ناتے چیف جسٹس آف پاکستان کے عہدے پر فائز ہونا تھا۔

'مولانا فضل الرحمان اور اپوزیشن کی شمولیت کے بغیر بھی نمبرز پورے تھے'

یاد رہے کہ اس ترمیم کی منظوری کیلیے پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری سیاسی قیادت میں آگے آگے نظر آئے اور اس ضمن میں انھوں نے جمعیت علمائے اسلام ف کے مولانا فضل الرحمان، بی این پی کے اختر مینگل اور پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین بیرسٹر گوہر سمیت دیگر سیاسی رہنماؤں سے اس ترمیم پر اتفاق رائے کے لیے متعدد ملاقاتیں کیں۔

تاہم پاکستان تحریک انصاف سمیت دیگر سیاسی جماعتوں نے اراکین پارلیمان کی خرید و فروخت، انھیں دھمکیاں دینے، حتیٰ کہ اغوا کرنے کے الزامات بھی عائد کیے گئے۔ اس تمام عمل کے دوران پاکستان مسلم لیگ نواز کی جانب سے بار بار یہی مؤقف سامنے آیا کہ اُن کے پاس پارلیمان میں اس ترمیم کو منظور کروانے کے لیے عددی گنتی یعنی نمبرز پورے ہیں۔

بلاول بھٹو زرداری نے اس ضمن میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں کہا کہ اُن کے پاس 'نمبر پورے تھے، مولانا فضل الرحمٰن کے بغیر، اپوزیشن کی شمولیت کے بغیر، (ہم) اپنی مرضی کا آئین (ترمیم) لا سکتے تھے۔ مگر میرا یقین تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے، مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور مجھے اتفاق رائے کرنا ہو گا۔ چاہے کوئی سیاسی یا دوسرا اسٹیک ہولڈر یہ کہے کہ چلیں آپ اپنا (بات چیت کا) شوق پورا کریں۔'

انھوں نے کہا کہ 'میں کچھ وجوہات کی بنا پر مان رہا تھا، اور وہ وجہ جس کے لیے میں مان رہا تھا وہ یہ آئین ہے۔ آج بھی پارلیمان میں دو اور سیاسی جماعتیں بھی ہیں جن کے لیے یہ آئین اتنا ہی مقدس ہے جتنا ہمارے لیے۔ ان میں ایک جے یو آئی ہے اور دوسری اے این پی۔'

پاکستان پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے ایک رکن نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بی بی سی کو بتایا کہ اُن کی پارٹی کے چیئرمین کو متعدد حلقوں کی جانب سے 'کئی بار پیغام بھجوایا گیا کہ وہ بات چیت اور سیاسی قیادت میں اتفاق رائے پیدا کرنے میں وقت ضائع نہ کریں کیونکہ آئینی ترمیم کے لیے نمبرز پورے ہیں۔'

بی بی سی نے یہی سوال براہ راست بلاول بھٹو زرداری سے کیا کہ کیا انھیں فوجی اسٹیبلشمنٹ یا مسلم لیگ ن کی جانب سے مذاکرات ختم کرنے کے لیے کسی دباؤ کا سامنا تھا یا انھیں فون کالز آئی تھیں۔ بلاول بھٹو زرداری نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ 'میں اس پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔'

انھوں نے کہا کہ وہ میثاق جمہوریت میں کیا گیا وعدہ پورا کرنے کے لیے 'زور زبردستی کا ووٹ' نہیں چاہتے تھے۔

گلاب کو کسی بھی نام سے پکاریں

26ویں آئینی ترمیم میں پاکستان پیپلز پارٹی کی سب سے بڑی خواہش ایک علیحدہ آئینی عدالت کا قیام تھا تاہم اتحادی جماعتوں کی خواہش پر پیپلز پارٹی نے علیحدہ عدالت کے بجائے آئینی بنچز کی تشکیل پر اتفاق کیا۔

بی بی سی نے پیپلز پارٹی کے چیئرمین سے پوچھا کہ اس ترمیم میں ان کی جماعت اپنے سب سے بڑے مطالبے سے پیچھے ہٹی تو کیا وہ اسے کامیاب سیاست سمجھتے ہیں؟ بلاول بھٹو زرداری نے کہا کہ اس ترمیم کے نتیجے میں بننے والے آئینی بنچز کو وہی اختیارات حاصل ہیں جو وہ ایک آئینی عدالت کے قیام کی صورت میں ہم متعارف کرانا چاہتے تھے۔

'میں نے اسمبلی میں بھی ولیم شیکسپیئر کا حوالہ دیا تھا کہ گلاب کو کسی بھی نام سے پکاریں، وہ گلاب ہی رہے گا۔ جس طریقے سے لوگ آئینی بینچ اور آئینی عدالت کو ایک بہت بڑے کمپرومائز کی طرح پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، یہ اُن کی غلط فہمی ہے۔'

واضح رہے کہ 26ویں آئینی ترمیم کے تحت پاکستان کے آئین میں آرٹیکل 191 اے کا اضافہ کیا گیا ہے جس کے تحت آئینی بنچز تشکیل دیے جائیں گے جو آئین سے متعلق معاملات اور آئین کی تشریح کریں گے۔ ان بنچز کی تعداد اور اُن کی مدت کا فیصلہ سپریم جوڈیشل کمیشن کرے گا اور ان میں تمام صوبوں سے تعلق رکھنے والے ججز کی مساوی نمائندگی ہو گی۔

آئینی ترمیم پر تنقید کے حوالے سے انھوں نے کہا کہ تنقید کرنے والے وہی لوگ ہیں جنھوں نے 18ویں ترمیم پر بھی تنقید کی۔

'ایک ہی طرح کے وہی چہرے ہیں، یہ بالکل نہیں بدلے۔ جنھوں نے ہمیں یہ بتایا تھا کہ ریاست ہو گی ماں کے جیسی۔ انھوں نے ہمیں بتایا تھا کہ بس افتخار چوہدری کو بحال کرو اور آپ دیکھو گے۔۔۔ انھوں نے ہمیں 19ویں ترمیم کے لیے مجبور کیا۔ بالکل وہی لوگ، جنھیں سننا ہماری غلطی تھی، آج بھی وہی اعتراض کر رہے ہیں۔ عدلیہ میں اصلاحات ہو رہی ہیں اور ہم نے اپنی غلطیوں سے سیکھا ہے۔'

انھوں نے کہا کہ اُن کی آئینی ترمیم پر تنقید کرنے والوں نے آغاز جسٹس قاضی فائز عیسیٰ کی 'ایکسٹینشن سے کیا۔'' پھر اُن کا مطالبہ تھا کہ آئینی عدالتیں نہیں بلکہ آئینی بینچ ہوں، پھر وہ ہر ایک پوائنٹ پر اپنا موقف تبدیل کرتے رہے۔ وہ اپنی تنقید کو تبدیل کرتے رہے۔ آخر میں اُن کے پاس کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔ پھر انھوں نے کہا کہ اس ترمیم کا وقت مناسب نہیں تھا۔'

اس سوال پر کہ کیا اب چیف جسٹس کی تعیناتی کا عمل سیاسی ہو گیا ہے، بلاول بھٹو نے کہا کہ ہر جمہوری فیصلہ سیاست زدہ ہوتا ہے۔ 'پاکستان میں سیاست کو جان بوجھ کے گالی بنا دیا گیا ہے۔ ڈکٹیٹر شپ کی اور اسٹیبلشمنٹ کی مسلسل یہ کوشش رہی ہے کہ آپ کا ایسا ذہن بنا دیں۔ ہماری عدلیہ کی ذہن سازی تو کر دی گئی ہے کہ سیاست زدہ یا سیاست گالی ہے۔ ہر جمہوری فیصلہ سیاست ہوتا ہے۔ اور اس کی کریکٹرائزیشن کا کوئی نہ کوئی نتیجہ نکلتا ہے۔'

انھوں نے مزید کہا کہ دنیا میں اعلیٰ عدالتوں کے سینئر ججز کی تعیناتی خود ججز نہیں کرتے، بلکہ پارلیمان یا ایگزیکٹیو کی کمیٹیاں کرتی ہیں۔

'میں کہتا ہوں کہ میں کسی فرد کے لیے نہ تو کوئی ترمیم کرتا ہوں اور نہ ہی قانون سازی کرتا ہوں۔ جہاں تک چیف جسٹس کی تعیناتی کا تعلق ہے تو پاکستان میں 18ویں آئینی ترمیم میں ہم نے اسے تبدیل کیا۔ ہم نے بطور سیاسی جماعت یہ فیصلہ کیا کہ سینارٹی کی بنیاد پر یہ کام ہو۔ پھر ہم نے دیکھا کہ کس طریقے سے سینیارٹی کے کونسپٹ میں ہمیں میڈیوکری ملی۔ ہمیں اتھارٹیرین ججز دیے گئے۔ ہم وہ ملک بنے جہاں ججز سمجھتے ہیں کہ ہمارا آئین کاغذ کا ٹکڑا ہے۔ کیا جسٹس منصور علی شاہ صاحب نے خود نہیں کہا تھا کہ سینیارٹی کے ساتھ ساتھ میرٹ دیکھنا ضروری ہے؟'

بلاول بھٹو زرداری نے کہا کہ 'جسٹس منصور شاہ صاحب ایک نہایت قابل احترام شخصیت ہیں۔ وہ آئین اور قانون کو مانیں گے اور اس معاملے میں نہ کوئی رکاوٹ بنیں گے نہ ان کا ایسا کوئی کردار ہو گا جس سے اپنا برادر جج یعنی نئے چیف جسٹس آف پاکستان کسی طریقے سے متنازع ہوں۔ جہاں تک کردار کی بات ہے تو جسٹس یحییٰ آفریدی پر کوئی الزامات نہیں، کوئی تنقید نہیں ہو سکتی۔'

اس سوال پر کہ اُن کے سیاسی مخالفین یہ الزام لگاتے ہیں کہ پیپلز پارٹی نے فوج کی ایما پر یہ آئینی ترمیم کرائی تاکہ عمران خان اور ان کی پارٹی کو ریلیف نہ مل سکے، چیئرمین پیپلز پارٹی نے کہا کہ یہ الزام جھوٹا ہے۔ انھوں نے کہا کہ 'میں نے چارٹر آف ڈیموکریسی کے اُن نکات پر عملدرآمد اسٹیبلشمنٹ کے کہنے پر نہیں بلکہ اپنی والدہ کے کہنے پر کیا ہے۔'

'یہ جھوٹا الزام ہے۔ سچ پر مبنی نہیں ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ ایک سیکنڈ کے لیے آپ سمجھیں کہ واقعی ایسا ہوا ہے کہ میں یہ کسی کے کہنے پر کر رہا ہوں۔ اور اگر وہ لوگ یہ کہہ رہے ہیں مجھے کہ آپ اپنے چارٹر آف ڈیموکریسی پر آمد کرو، تو کیا مجھے یہ کہنا چاہیے کہ اوہ، اب چونکہ غلط شخص ہماری پارٹی کا منشور اور میثاق جمہوریت تسلیم کر رہا ہے تو میں اس پر عملدرآمد ہی نہ کروں؟'

پہلا قدم اس آدمی کو اٹھانا پڑے گا جو جیل میں بیٹھا ہے

اس سوال پر کہ عمران خان ایک سال سے زیادہ عرصے سے جیل میں ہیں اور اُن (خان) کا یہ کہنا ہے کہ فوج کے کہنے پر اُن سے سیاسی انتقام لیا جا رہا ہے؟ بلاول بھٹو زرداری نے کہا کہ 'جب میرے والد کا گلا کاٹا گیا، اُن کی زبان کو کاٹا گیا، ساڑھے گیارہ سال جیل میں رکھا گیا تو جب ہم حکومت میں آئے تو کیا ہم نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا؟ نہیں۔ ہم نے اس چکر (سیاسی انتقام لینے کی روش) کو ختم کیا ہے۔

'عمران خان نیازی اسے دوبارہ لائے، وہ کہتے تھے کہ جیل تو سزا کے لیے ہوتی ہے، چھٹی کے لیے نہیں۔ تو آج وہ بھگت رہے ہیں جو انھوں نے کیا، تو اگر یہ (سیاسی انتقام لینے کا) سلسلہ ختم ہونا ہے تو عمران خان کو اسے ختم کرنا ہو گا۔ مگر وہ تو ایسا کرنے کے موڈ میں ہی نہیں ہیں۔'

انھوں نے کہا کہ 'میں کہتا ہوں کہ جمہوریت بہترین انتقام ہے۔ میں کسی ایک سیاسی قیدی پر یقین نہیں رکھتا۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ یہ سلسلہ توڑیں۔ لیکن پہلا قدم اس آدمی کو اٹھانا پڑے گا جو جیل میں بیٹھا ہے۔

> میں کہتا ہوں کہ میں کسی فرد کیلئے نہ تو کوئی ترمیم کرتا ہوں اور نہ ہی قانون سازی کرتا ہوں۔ جہاں تک چیف جسٹس کی تعیناتی کا تعلق ہے تو پاکستان میں 18ویں آئینی ترمیم میں ہم نے اسے تبدیل کیا اور بطور سیاسی جماعت یہ فیصلہ کیا کہ سینارٹی کی بنیاد پر یہ کام ہو، پھر ہم نے دیکھا کہ کس طریقے سے سینیارٹی کے کونسپٹ میں ہمیں میڈیکوری ملی، ہمیں اتھارٹیرین ججز دیے گئے، ہم وہ ملک بنے جہاں ججز سمجھتے ہیں کہ ہمارا آئین کاغذ کا ٹکڑا ہے۔

ٹرمپ آ گیا، کیا عمران بھی باہر آئے گا؟

ڈونلڈ ٹرمپ دوسری مرتبہ امریکا کے صدر منتخب، کملا ہیرس کو شکست

امریکی صدر کے انتخاب کیلئے تمام 50 ریاستوں میں ہونے والی پولنگ کے نتائج کے مطابق ڈونلڈ ٹرمپ نے انتخابی معرکہ جیت لیا ہے۔ امریکی صدارتی انتخاب میں 538 میں سے اب تک ڈونلڈ ٹرمپ نے 277 اور کملا ہیرس نے 226 الیکٹورل ووٹ حاصل کیے ہیں۔

امریکا اب نئی بلندیوں پر پہنچے گا، ٹرمپ کا فتح کے بعد پہلا خطاب

امریکی صدارتی الیکشن میں کامیابی کے بعد فلوریڈا کے پام بیچ پر حامیوں سے خطاب کرتے ہوئے ڈونلڈ ٹرمپ کا کہنا تھا آج ہم نے تاریخ رقم کی ہے، امریکا اب نئی بلندیوں پر پہنچے گا۔

امریکا میں ووٹنگ جاری، ٹرمپ کے سوشل میڈیا پلیٹ فارم کے شیئرز کی قیمت 25 فیصد بڑھ گئی

کیا دی سمپسنز نے امریکی صدارتی انتخابات 2024 سے متعلق بھی پیشگوئی کی تھی؟

امریکی میڈیا کے مطابق 7 کروڑ 89 لاکھ افراد پہلے ہی ووٹ کاسٹ کر چکے تھے اور کسی بھی امیدوار کو جیت کیلئے کل 538 میں سے کم از کم 270 الیکٹورل ووٹ درکار ہوں گے۔

آج ہونے والے انتخابات میں ووٹرز ایوان نمائندگان کے 435 ارکان کو منتخب کریں گے اور ایوان نمائندگان پر کنٹرول کیلئے 218 سیٹیں درکار ہیں۔

امریکی سینیٹ کے 100 میں سے 34 ارکان کا انتخاب بھی آج ہو گا، اس وقت سینیٹ میں ریپبلکن ارکان 38، ڈیموکریٹس 28 ہیں جبکہ 11 ریاستوں میں گورنرز کا انتخاب بھی ہو گا۔

امریکا میں 47 ویں صدر کے انتخاب کیلئے جاری پولنگ کا عمل امریکی ریاست انڈیانا اور کینٹکی میں پاکستانی وقت کے مطابق صبح 4 بجے ختم ہوا جب کہ ریاست ہوائی، الاسکا اور کئی مغربی ریاستوں میں پولنگ پاکستانی وقت کے مطابق صبح 5 بجے ختم ہوا، اس کے علاوہ جارجیا اور نیو کیرولائنا میں پولنگ پاکستانی وقت کے مطابق صبح 6 سے 7 بجے کے درمیان ختم ہوا۔

مشی گن، پنسلوینیا اور وسکونسن میں ووٹنگ پاکستانی وقت کے مطابق صبح 7 سے 8 بجے کے درمیان پولنگ ختم ہوئی جب کہ سب سے آخر میں الاسکا میں پاکستانی وقت کے مطابق صبح 11 بجے پولنگ کا وقت ختم ہوا۔

اب تک کے نتائج کے مطابق ایوان نمائندگان میں ری پبلکن 188 اور ڈیموکریٹس 160 نشستوں پر کامیاب ہو چکے ہیں۔ امریکا کی 50 میں سے 27 ریاستوں میں ڈونلڈ ٹرمپ کامیاب ہو گئے ہیں جبکہ 19 میں کملا ہیرس کو کامیابی ملی ہے۔

سینیٹ میں ری پبلکن نے 51 نشستوں کے ساتھ اکثریت حاصل کرلی ہے جبکہ ڈیموکریٹس نے ایوان بالا کی 43 نشستیں جیت لی ہیں۔

ان کا کہنا تھا ملک کے تمام معاملات اب ٹھیک کریں گے، ایسی کامیابی امریکی عوام نے پہلے کبھی نہیں دیکھی، ایسی سیاسی جیت اس پہلے کبھی بھی نہیں دیکھی گئی، امریکا کو محفوظ، مضبوط اور خوشحال بناؤں گا، امریکا کو دوبارہ عظیم بنائیں گے، حامیوں کا شکریہ، آپ کے ووٹ کے بغیر کامیابی ممکن نہیں تھی۔

امریکا میں پولنگ مکمل ہونے کے اوقات بھی مختلف ریاستوں میں مختلف ہیں، 6 مختلف ٹائم زون کے باعث مختلف امریکی ریاستوں میں پولنگ کا اختتام الگ الگ وقت پر ہوا۔

صحافت کا مستقبل محفوظ کیسے بنایا جائے؟

تحریر: جاوید صدیقی

دنیا میں صحافت ریاست کے چوتھے ستون کے طور پر ایک منفرد اور اہم مقام رکھتی ہے۔ یہ صرف ایک پیشہ نہیں ہے بلکہ معاشرے کے اندر جوابدہی کو آگاہ کرنا، تعلیم دینا اور فروغ دینا ایک مقدس ذمہ داری عائد ہوتی ہیں۔ ایک آزاد، مضبوط اور اخلاقی پریس جمہوریت کی بنیاد ہے، جو شفافیت کو یقینی بناتی ہے اور احتساب کا اختیار رکھتی ہے۔ صحافت کے مستقبل کو محفوظ بنانے کیلئے ضروری ہے کہ ایسے منظم اور اخلاقی رہنمائی والے ادارے قائم کیے جائیں جو اس کی ترقی کو فروغ دیں۔ ان اداروں کو نچلی سطح پر کام کرنا چاہیے۔ شہروں، قصبوں اور اضلاع میں جو کہ ترقی کے خواہشمند صحافیوں اور پیشہ ور افراد کو ایک پلیٹ فارم فراہم کر سکیں۔ جاوید صدیقی نے بتایا کہ صحافت کو اکثر جمہوریت کا 'نگہبان' کہا جاتا ہے۔ معروضی رپورٹنگ، تحقیقاتی صحافت اور تنقیدی تجزیہ کے ذریعے صحافی عوام کو متاثر کرنے والے مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ چاہے بدعنوانی کو بے نقاب کرنا ہو، لیڈروں کا احتساب ہو، یا پسماندہ لوگوں کے تحفظات کا اظہار ہو، صحافی ایک منصفانہ اور شفاف معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کا کام اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ شہری اچھی طرح سے باخبر رہیں، جو کہ ایک صحت مند جمہوریت کیلئے ضروری ہے۔ تاہم، صحافت کا معیار براہ راست اس کردار کو پورا کرنے کی صلاحیت پر اثرانداز ہوتا ہے۔ لہٰذا، اخلاقی اور معیاری صحافت کو پروان چڑھانا اور اسے فروغ دینا ناگزیر ہو جاتا ہے جو دیانتداری کے ساتھ قوم کی خدمت کی جاتی ہے۔

صحافت کے مستقبل کیلئے ماڈیول اداروں کا قیام خاص طور پر صحافت کی ترقی کیلئے وقف ایک مضبوط اور اخلاقی پریس کی تعمیر کی طرف پہلا قدم ہے۔ یہ ادارے اپنے کیریئر کے ہر مرحلے پر صحافیوں کیلئے سیکھنے، تربیت اور پیشہ ورانہ ترقی کے مراکز کے طور پر کام کرتے ہیں۔ یہ صحافت کے مختلف جہتوں پر مشتمل ہوتے ہیں، دیکھا جائے تو ان میں صحافیوں کو تربیت دینا کہ وہ اپنی رپورٹنگ میں سچائی، معروضیت، انصاف پسندی اور جوابدہی کو کیسے برقرار رکھیں۔ اس میں میڈیا کی اخلاقیات پر ورکشاپس، تعصب سے گریز، اور اس بات کو یقینی بنانا کہ تمام رپورٹنگ مفاد عامہ کی خدمت کرتی ہے۔ دوسرا یہ کہ تحقیقاتی تکنیکوں، تنقیدی سوچ، اور حقائق کی جانچ پڑتال میں جدید مہارتوں کو فروغ دینا اس بات کو یقینی بنانے کیلئے کہ صحافی خبر کی گہرائی تک جا سکیں اور چھپی ہوئی سچائیوں سے پردہ اٹھا سکیں۔ اس سے بدعنوانی سے نمٹنے اور ناانصافیوں کو بے نقاب کرنے میں صحافت کے کردار کو تقویت ملے گی۔ تیسرا یہ کہ صحافیوں کو ڈیجیٹل دور میں نیویگیٹ کرنے کے آلات سے آراستہ کرنا۔ اس میں سوشل میڈیا جرنلزم، ڈیٹا جرنلزم، اور ملٹی میڈیا خبر کی تربیت شامل ہے۔ جیسے جیسے دنیا آن لائن پلیٹ فارمز کی طرف منتقل ہو رہی ہے، یہ بہت ضروری ہے کہ صحافی ڈیجیٹل میڈیا تکنیکوں سے بخوبی واقف ہوں اور ورکشاپس کے ذریعے آگاہی دیتے ہوئے اس بات کو یقینی بنانا کہ صحافی قانون کے دائرہ کار میں اپنے حقوق اور ذمہ داریوں کو سمجھیں۔ اس میں قانونی خطرات کو نیویگیٹ کرنے اور سنسرشپ اور دھمکیوں سے خود کو بچانے کے بارے میں تربیت بھی اور ساتھ ساتھ صحافیوں کو ان مسائل پر رپورٹ کرنے کی ترغیب دینا جو مقامی کمیونٹیز کیلئے اہم ہیں۔ یہ ماڈیول ایک باخبر عوام اور شہری مصروفیت کو فروغ دینے میں ہائپر لوکل جرنلزم کی اہمیت پر زور دے سکتے ہیں۔

اگر پریس کلبوں کا کردار کے متعلق بات کی جائے تو ان ماڈیول اداروں کے قیام کیساتھ ساتھ شہر، قصبہ اور ضلع کی سطح پر پریس کلبوں کا قیام اور فروغ ضروری ہے۔ پریس کلب صحافیوں کیلئے تعاون، وسائل کا اشتراک، اور پیشہ ورانہ ترقی میں مشغول ہونے کیلئے ایک اہم مرکز کے طور پر کام کرتے ہیں۔ وہ موجودہ مسائل پر مکالمے اور بات چیت کیلئے ایک پلیٹ فارم مہیا کرتے ہیں، اس بات کو یقینی بناتے ہوئے کہ صحافی باخبر رہیں اور معاشرے کی نبض سے جڑے رہیں۔ ایکبار پھر واضع کرتا چلوں کہ پریس کلب ہر شہر، قصبے اور ضلع کی سطح پر موجود ہونے چاہئیں، تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ صحافت ملک کے کونے کونے تک پہنچ جائے۔ اس نقطہ نظر سے مقامی صحافیوں کو بااختیار اور چھوٹے شہروں اور اضلاع میں بامعنی کام میں مشغول ہونے کے خواہشمند صحافیوں کیلئے مواقع پیدا ہونے چاہئیں۔ صحافیوں کے پیشہ ورانہ ترقی کے لئے چھوٹے شہر کے پریس کلب تربیت اور ورکشاپس کیلئے جگہ کے طور پر کام کر سکتے ہیں، جو صحافیوں کو اپنی صلاحیتوں کو مسلسل اپ گریڈ کرنے اور صحافت کے تازہ ترین رجحانات اور اخلاقی معیارات کے ساتھ اپ ڈیٹ رہنے کے قابل بنانے چاہئیں۔ صحافتی اتحاد و اتفاق کے متعلق بتایا کہ پریس کلب صحافیوں کے درمیان برادری کے احساس کو بھی فروغ دیتے ہیں، یکجہتی، باہمی تعاون اور خیالات کے تبادلے کو فروغ دیتے ہیں۔ یہ اتحاد بہت ضروری ہے، خاص طور پر ایسے وقت میں جب میڈیا کو سنسرشپ، دھمکیاں اور دھمکی جیسے چیلنجز کا سامنا ہو۔ پریس کلب اور یونینز صحافیوں کی مدد کرنے کے علاوہ، پریس کلبوں کو صحافیوں اور کمیونٹی کے درمیان ایک پل کا کام کرنا چاہیے۔ اہم قومی اور مقامی مسائل پر عوامی فورمز، مباحثوں اور مباحثوں کا اہتمام کرکے، پریس کلب عوام کو مکالمے میں شامل کر سکتے ہیں، باخبر اور شریک شہری کو فروغ دے سکتے ہیں۔ مزید برآں کسی بھی قوم کی ترقی اور استحکام کا انحصار اسکی صحافت کے معیار پر ہوتا ہے۔ صحافت رائے عامہ سے آگاہ کرتی ہے، پالیسی فیصلوں پر اثرانداز ہوتی ہے اور احتساب کے ماحول کو فروغ دیتی ہے۔ ریاست کے چوتھے ستون کے طور پر اپنی صلاحیتوں کا ادراک کرنے کیلئے مقامی سطح کی رپورٹنگ سے لے کر قومی تحقیقاتی منصوبوں تک ہر سطح پر صحافت کی حمایت کی جانی چاہیے۔ ماڈیول اداروں کے قیام اور پریس کلبوں کے فروغ سے صحافت کے فروغ کیلئے ایک مضبوط ڈھانچہ تشکیل پائے گا۔ صحافیوں کو ضروری مہارتوں، اخلاقی بنیادوں اور پیشہ ورانہ مدد سے بااختیار بنا کر، ہم اس بات کو یقینی بنا سکتے ہیں کہ صحافت ملک کے مستقبل میں اپنا اہم کردار ادا کرتی رہ سکتی ہے۔ اس کوشش کو میڈیا کے پیشہ ور افراد، تعلیمی اداروں، سول سوسائٹی اور حکومت کے درمیان تعاون کے ذریعے جاری رہنا چاہیے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ پریس عوام کی بھلائی کیلئے ایک آلہ بنے، غیر ضروری اثر و رسوخ یا بدعنوانی سے پاک۔

صحافت صرف ایک پیشہ نہیں ہے بلکہ یہ معاشرے کا ایک اخلاقی فریضہ ہے۔ صحافت کی ترقی کیلئے ماڈیول اداروں کے قیام اور ہر سطح پر پریس کلبوں کو فروغ دے کر ہم ایک ایسا مستقبل تشکیل دے سکتے ہیں جہاں صحافی عوام کی خدمت، جمہوری اقدار کو برقرار رکھنے اور قوم کے روشن مستقبل میں اپنا کردار ادا کرنے کیلئے بہتر طریقے سے مزین ہوں۔ ایسی ٹھوس کوششوں سے ہی صحافت عوام کی آواز، ریاست کے ضمیر اور شفاف، منصفانہ اور خوشحال معاشرے کیلئے محرک بن کر رہ سکتی ہے۔ وگرنہ صحافت چرواہے جولاہے اور فروشوں کے ہاتھوں سلاسل قید رہے گی اور ہم ناخواندہ لوگوں کی جیب میں پریس کارڈ کی لازمی موجودگی دیکھیں گے۔

کراچی کے شیر شاہ بازار میں کمپیوٹر کے کچرے سے خالص سونے کی تلاش

چاچا کے تیزاب سے جلے ہوئے ہاتھ سراج کو کچرے سے خالص سونا بنانا سکھا رہے تھے۔ یہ کراچی میں شیر شاہ کباڑی مارکیٹ کا علاقہ ہے جہاں خیبر پختونخوا کے ایک چھوٹے سے گاؤں کا سراج بڑے بڑے خواب لے کر آیا تھا۔

سراج اپنے گاؤں سے یہ طے کر کے نکلا تھا کہ کراچی پہنچ کر جو بھی کام سیکھے گا، اس میں مہارت حاصل کرنے کے بعد واپس جائے گا اور پھر اپنے دوستوں کو بھی وہی کام سکھائے گا۔ کروڑوں کے ہجوم والے شہر میں خرخیل کے سراج کو ایک اچھوتا کام مل بھی گیا جس کے بارے میں اس نے پہلی بار بچپن میں سنا تھا۔

ایک زمانے میں کراچی کے نیپا فلائی اوور سے گزرتے ہوئے نیچے بائیں ہاتھ پر ایک بڑا سا رامیدان نظر آتا تھا، جس بیچوں بیچ سنہرے اور چاندی کے رنگوں کے ڈبے نما عمارتی ڈھانچے بنے ہوئے تھے۔ ان پر بڑے بڑے بینر آویزاں تھے، 'کچرادو، سونالو۔'

یہ نعرہ گل بہاؤ ٹرسٹ نامی ایک ماحولیاتی این جی او نے لگایا تھا جو اُس زمانے میں اپنے اچھوتے تصور کی وجہ سے بہت مشہور ہوئی۔ کچرے سے مراد تھی روزمرہ کے دوران گھروں میں جمع ہونے والا کوڑا کرکٹ اور کارخانوں کا ویسٹ یعنی فضلہ، اور سونے سے مراد تھی وہ تعمیراتی سٹرکچرز جو گل بہاؤ اس کچرے کی مدد سے بنا کر دے رہی تھی۔

اس زمانے میں سراج پہلی بار کراچی آیا تھا۔ اس کی عمر صرف آٹھ سال تھی۔ تب اُس نے ایک دن پہلوان گوٹھ جاتے ہوئے گلستان کوچ کی کھڑکی سے یہ بینر پڑھا تھا اور وہ بہت حیران ہوا تھا کہ آخر کچرا دے کر سونا کیسے مل سکتا ہے۔

اُس وقت تو سراج گاؤں واپس چلا گیا لیکن چند ہی سال بعد اُس کی اپنے ایک کزن شاہد سے فون پر بات ہوئی جس نے بتایا کہ وہ کراچی میں 'کچرے سے سونا' بناتا ہے۔

سراج یہ سن کر اُچھل پڑا۔ 'کچرادو، سونالو' کا بینر اُس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ چند ہی روز بعد ہی وہ اپنے چاچا علی گل کے گھر کراچی میں تھا۔

سیدھے سادھے معصوم سراج کے ذہن میں تصویر یہ تھی کہ وہ کچرا جمع کرے گا، ڈھیر سارا کچرا، اور بدلے میں سونے کی اینٹ وصول کر لے گا، اور اسے توڑ کر برابر برابر تمام گاؤں والوں میں بانٹ دے گا۔ لیکن یہ معاملہ اتنا سادہ نہیں تھا۔

شیر شاہ کی کباڑی مارکیٹ

سراج سے میری ملاقات شیر شاہ کی کباڑی مارکیٹ کی بھول بھلیوں میں ایک گودام میں ہوئی۔ مجھے بھی اسی سونے کی تلاش تھی جس کے خواب دیکھتا ہوا سراج کراچی پہنچا تھا۔

یہیں سراج، اس کے کزن شاہد اور ان کے استاد چاچا سے بات ہوئی۔ لیکن ان کی درخواست پر ان کے فرضی نام استعمال کیے جا رہے ہیں۔ نہ جانے کیوں، لیکن وہ اپنے کام کے معاملے میں حساس تھے اور وہ بھی اتنے کہ انھوں نے تصویر تک نہیں کھینچنے دی اور نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بات کی۔

ہم تو صرف یہ جاننا چاہتے تھے کہ شیر شاہ کی مارکیٹ میں کمپیوٹر کے کچرے سے سونا کیسے نکلتا ہے اور یہ کام ہوتا کیسے ہے۔

یہاں تک پہنچنا بھی آسان نہ تھا۔ بہت سی کچی سڑکوں، گوداموں اور ٹوٹے پھوٹے راستوں سے ہوتے ہوئے ایک شٹر والی دکان تھی جس کے اندر ایک کچا پکا وسیع گودام تھا۔ ایک بڑی سی چمنی چھت سے لٹکی ہوئی تھی جس کے نیچے مٹی اور ڈرموں کے مٹیالے چولہے بنے ہوئے تھے۔ ایک اور طرف بہت سے کنستر پڑے تھے اور ان کے برابر جلانے والی لکڑیوں کا ڈھیر۔

اس کاٹھ کباڑ کے ساتھ ہی سینکڑوں رنگ برنگے پلاسٹک کے ٹکڑے ایک انبار کی شکل میں موجود تھے جن میں سے زیادہ تر کا رنگ ہرا اور نیلا تھا۔ پلاسٹک کے یہ ٹکڑے استعمال شدہ کمپیوٹرز کے 'مدربورڈز' تھے۔

یہیں سراج کو پہلی بار علم ہوا کہ کچرے سے سونا کیسے نکلتا ہے۔

کراچی کے علاقے شیر شاہ میں یوں تو مختلف نوعیت کی صنعتی اشیا اور استعمال شدہ مصنوعات افراط سے دستیاب ہوتی ہیں مگر یہ جگہ ترقی یافتہ ممالک سے درآمد کیے گئے پرانے اور متروک کمپیوٹروں کا ٹھکانا بھی ہے۔

ان

درآمد شدہ کمپیوٹرز میں سے استعمال شدہ مگر نسبتاً نئے کمپیوٹرز کو تو متروک مشینوں سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے اور مرمت اور جوڑ توڑ کے بعد استعمال شدہ کمپیوٹروں کے دیگر کاروباری مراکز میں فروخت کیا جاتا ہے۔ تاہم درآمدی کھیپ میں موجود فرسودہ اور ناقابل استعمال کمپیوٹروں کی منزل شیر شاہ کے گودام ٹھہرتے ہیں۔

ایسے ہی گوداموں میں کمپیوٹرز کو کھول کر ان کے پرزے الگ کیے جاتے ہیں۔ پھر ان پرزوں کو توڑ کر ان سے تانبہ، لوہا، سونا اور دیگر دھاتیں حاصل کی جاتی ہیں۔

کمپیوٹر سے سونا کیسے نکلتا ہے؟

جس گودام میں سراج کو کام ملا، وہاں ایک استاد جنھیں وہ صرف 'چاچا' کے نام سے بلاتے ہیں، اس کام کے ماہر ہیں۔ وہ کمپیوٹر کے استعمال شدہ پرانے مدربورڈز اٹھاتے ہیں اور تیز آگ سے جلا کر ان پر چپکی ہوئی پنیں اور پرزے نرم کرنے کے بعد انھیں پلاس سے نوچ کر الگ کر دیتے ہیں۔

یہ کام کتنا تکلیف دہ تھا اُس کا اندازہ چاچا کے ہاتھ دیکھ کر ہو رہا تھا جن پر جگہ جگہ زخموں اور جلنے کے نشان تھے۔ دو گھنٹے میں چاچا نے تقریباً 150 بورڈز جلا کر اور کھرچ کر بالکل صاف کر دیے اور ان کے ایک طرف پنوں، آئی سیز، ٹرانزسٹرز اور چپس کا ایک ڈھیر جمع تھا۔

چاچا نے پھر اس ڈھیر میں سے مزید چھنائی شروع کر دی۔ ہر وہ پن اور پرزہ جس پر سنہرا رنگ واضح تھا، چاچا اُسے الگ کر رہے تھے۔ کچھ پرزوں میں سے انھیں سنہرے رنگ کے بال جیسے باریک تار بھی الگ کرنا پڑے۔ یوں ہوتے ہوتے اِن سنہرے تاروں پنوں اور باریک سٹرپس کی ڈھیری سی بن گئی۔

اتنے میں شاہد کپڑے سے ڈھکا ایک الیکٹرانک ترازو لے آیا۔ تولنے پر یہ شاپر کوئی چار کلو سے اوپر کا نکلا۔

استعمال شدہ لیپ ٹاپ اور پرانے موبائل فون میں چھپا سونا نکال کر زیورات کیسے بنائے جا رہے ہیں؟

اب مرحلہ تھا چولہوں میں آگ دہکانے کا۔ چاچا کی ہدایت پر سراج اور شاہد دونوں لکڑی کے موٹے موٹے کٹے ہوئے گٹکے اٹھا لائے جو بظاہر درختوں کے بیچ تنے سے نکلے ہوئے تھے اور یہ ٹکڑے چولہوں کے ارد گرد رکھ دیے گئے۔ آگ کو ہوا دینے کے مقصد سے بلوئر فین یا آگ بھڑکانے والا پریشر پنکھا لگا تو لکڑیاں سیکنڈوں میں دھکنے لگیں۔

اتنے میں چاچا نے آواز لگائی 'ہٹو بیٹا'۔ بقول شاہد چاچا کے ہاتھ میں 'سک؟ہ' نامی دھات تھی جو انھوں نے گرم گرم 'اڈوں' میں انڈیلنی شروع کر دی۔ چولہے اتنے گرم ہو چکے تھے کہ سکہ چولہوں میں پڑتے ہی ابلنے لگا۔ پوچھنے پر صرف یہ پتہ چلا کہ یہ ایک کیمیکل ہے جسے 'سونا بنانے کا تیل' کہتے ہیں۔ اب اس ابلتے ہوئے مائع میں چاچا نے سارے دن کی محنت سے جمع کیا سنہرا کچرا ڈال کر شاپر بھی اسی میں جھاڑ دیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک یہ سرخ لاوا دہکتا رہا۔ اس دوران ایک عجیب سی بو اٹھی۔ اڈوں یعنی چولہوں سے اٹھنے والا دھواں مسلسل رنگ بھی بدل رہا تھا۔

چاچا نے ایک اڈے میں چمٹا ڈال کر جو پکڑا تو سنہرا کچرا چولہے کی سطح کی شکل میں ڈھل کر ایک پلیٹ نما ٹکڑا بن چکا تھا جس پر راکھ چپٹی ہوئی تھی۔ اس دہکتی پلیٹ کو چاچا نے جیسے ہی قریب پڑے پانی کے کنستر میں بھگویا تو 'ششششش' کی آواز کے ساتھ خوب ساری بھاپ اٹھنے لگی، جیسے گرم تیل میں پانی پڑے پیاز ڈال دیے ہوں۔ واپس نکالنے پر یہ پلیٹ راکھ سے آزاد ہو کر کچھ صاف معلوم ہو رہی تھی، چاچا نے کہا 'سراج دیکھو، پچی تیار ہو گئی۔'

شاہد ایک کالے رنگ کا بوتل نما ڈرم دونوں ہاتھوں کے ساتھ احتیاط سے پکڑ کر اُس نالی کی طرف لے آیا جو چولہوں سے کچھ فاصلے پر پانی کے نل

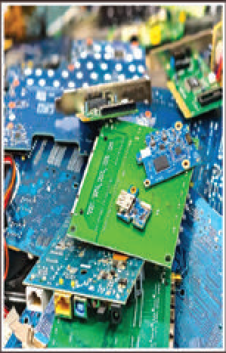

کے ساتھ ہی بنی ہوئی تھی۔ چاچا نے چکی کو سٹیل کی ٹرے میں رکھا، پوچھنے پر پتہ چلا کہ چکی کو تیزاب سے سٹیل کی ٹرے میں اس لیے دھونا پڑے گا کیونکہ سٹیل کو نمک کے علاوہ کوئی بھی دوسرا کیمیکل نقصان نہیں پہنچاتا۔

'اصلی اور خالص سونا'

جیسے جیسے چکی پر دھواں چھوڑتا شورے کا تیزاب گرا، چکی پگھل کر مائع میں تبدیل ہونے لگی، ٹرے میں سے اٹھتے دھوئیں کا رنگ بھی بدل رہا تھا اور اس بار بو بھی شدید تھی جو سراج کو نتھنوں میں گھستی محسوس ہو رہی تھی۔

چاچا نے قریب بلا کر دکھایا کہ کیسے اب سونے کے ذرات سٹیل کی ٹرے کی تہہ میں بیٹھ رہے تھے اور باقی دھاتیں چکی پر ہی چپکی ہوئی تھیں، یہ پہلا موقع تھا جب سراج کو اصلی سونا اپنی آنکھوں کے سامنے جھلمل کرتا نظر آیا۔

اس کے بعد کا کام شاہد نے سنبھال لیا۔ اس نے پانی کے ذریعے مائع میں تبدیل ہونے والے چکی کے ایک حصے کو نالی میں بہا دیا اور باقی ٹکڑا ایک طرف رکھ دیا۔ اس ٹکڑے میں سے جو دھاتیں بعد میں علیحدہ کی جائیں گی وہ بھی قیمتی ہوں گی لیکن یقیناً سونے جتنی نہیں۔

خیر، اب نیچے ٹرے میں سنہرے ذرات صاف نظر آنے لگے تھے۔ اس کے بعد ان ذرات کو مزید دو تین رنگ برنگے کیمیکلز کے ذریعے دھویا گیا لیکن بہت احتیاط کے ساتھ، کہیں نالی میں بہانے پر ایک ذرہ بھی استعمال شدہ کیمیکل کے ساتھ نہ نکل جائے۔ ہر بار یہ ذرات زیادہ سنہرے محسوس ہو رہے تھے۔

پیچھے سے چاچا کٹھالی یعنی چھوٹی سی پیالی لے آئے جو سونے یا چاندی جیسی دھات پگھلانے کے لیے استعمال میں آتی ہے۔ کٹھالی جانوروں کے کھروں، ہڈیوں کی راکھ یا چکنی مٹی سی بنائی جاتی ہے جو شدید حرارت کے باوجود ٹوٹتی نہیں ہے۔

شاہد سے لے کر چاچا نے سونے کے ذرات احتیاط سے کٹھالی میں ڈال دیے اور تقریباً 20 منٹ تیز آنچ پر ان ذرات کو دہکاتے رہے۔ اس دوران وہ بار بار ایک چمٹی کی مدد سے کٹھالی باہر نکالتے اور اس پر نمک ڈالتے تاکہ سونے کی ذرات کٹھالی کی تہہ پر چپک نہ جائیں۔

آگ تیز سے تیز تر ہو چکی تھی، چند اور منٹوں کے بعد دہکتے شعلوں کے بیچوں بیچ غائب ہو جانے والی کٹھالی کو چاچا نے چمٹی سے اٹھا کر باہر نکال لیا اور ایک تغاری نما برتن میں انڈیل دیا۔ ایک چمکتا دمکتا انڈا نما ٹکڑا برتن میں گرا جو آگ ہی حدت سے دہک رہا تھا۔ چاچا نے یہ ٹکڑا اسی چمٹی سے اٹھا کر پانی کے ڈونگے میں ڈال کے ٹھنڈا کر دیا۔

یہ تھا سونا، خالص سونا جو کچرے سے نکلا تھا۔ سراج کی آنکھوں کے سامنے نکلا تھا۔ سراج کو یہ کام اچھا لگا۔ وہ چاچا کے ساتھ روز گودام آ کر یہاں کام کرنا چاہتا ہے لیکن جانتا ہے کہ یہ کام گاؤں میں نہیں ہو سکتا۔ گاؤں میں سب کچھ ہے لیکن مدر بورڈز نہیں ہیں۔ سونا بنانے والا کچرا نہیں ہے۔

کراچی میں ای ویسٹ کے ذریعے سونا نکالنے والے افراد کا سناروں اور صرافوں کے نیٹ ورک سے مضبوط تعلق ہے اور سنار ان فیکٹریوں سے نکلنے والے سونے کا معائنہ کرتے ہیں کہ وہ کتنے قیراط کا ہے۔ اسی طرح ان میں دیگر اجزا کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے کہ زیورات بناتے وقت کیا ممکنہ تبدیلیاں واقع ہو سکتی ہیں۔ اس کے بعد اُس روز کے سونے کے مارکیٹ ریٹ کے حساب سے سودا ہو جاتا ہے۔

وصول شدہ رقم میں سے فیکٹری مالکان اپنا حصہ نکال کر باقی مزدوروں میں دیہاڑی کے حساب سے تقسیم کرتے ہیں اور ایک حصہ خام مال، کیمیکلز اور لکڑی خریدنے کے لیے مختص کر دیا جاتا ہے۔

مدر بورڈ کہاں سے آتے ہیں؟

پاکستان ہر سال اوسطاً 954 کلوٹن ای فضلہ درآمد کرتا ہے، جبکہ 433 کلوٹن ای فضلہ ملک میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک مثلاً برطانیہ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، دبئی، ایران، ہانگ کانگ، جرمنی، اسپین، کوریا، تھائی لینڈ اور کچھ عرب ممالک سے ای فضلہ کی نیلامی ہوتی ہے، جس کے بعد اسے ترقی پذیر ممالک جیسے پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور بعض افریقی ممالک میں بھیج دیا جاتا ہے۔

یورپ، برطانیہ، متحدہ عرب امارات، ایران اور سعودی عرب سے پورٹ کے ذریعے آنے والے اس سامان کو پاکستان پہنچانے کے لیے پاکستان کی حکومت سے این او سی لی جاتی ہے۔ جس کے بعد یہ سامان کراچی کے انٹرنیشنل ٹرمنل پورٹ پر پہنچتا ہے۔

ٹرمینل سے کنٹینرز کے ذریعے یہ سامان شیر شاہ کباڑی مارکیٹ اور پھر وہاں سے شہر کے مختلف کونوں میں بنے بازاروں تک پہنچتا ہے۔

درآمد شدہ الیکٹرانک مصنوعات کی جانچ کے بعد انہیں چار کیٹیگریز میں تقسیم کیا جاتا ہے جن میں اے، بی، سی اور ڈی کیٹگری شامل ہوتی ہیں۔

اے اور بی کیٹگری میں مکمل طور پر فعال ڈیوائسز ہوتی ہیں جو اسی حالت میں لیکن سستے داموں بیچی جاتی ہیں۔ سی کیٹگری میں وہ ڈیوائس ہوتے ہیں جنھیں مرمت کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ ڈی کیٹگری میں ایسے آلات ہوتے ہیں جن میں سے صرف قیمتی اشیا نکال لی جاتی ہیں اور باقی مواد سکریپ ڈیلر لے جاتے ہیں۔ یہی کیٹگری دراصل ای ویسٹ کے طور پر فروخت ہوتا ہے۔

پاکستان میں ای ویسٹ کی غیر قانونی درآمد، غیر منظم ری سائیکلنگ، اور غیر محفوظ طریقوں سے پروسیسنگ میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ کراچی، لاہور، پشاور، راولپنڈی، اور فیصل آباد میں ای ویسٹ کی ری سائیکلنگ اور ڈمپنگ مسلسل کی جا رہی ہے۔

کراچی کے ایک مقامی ای ویسٹ ڈیلر کے مطابق شیر شاہ میں ای ویسٹ کے کام کرنے والے اڈوں کی تعداد درجنوں میں ہے اور مسلسل بڑھ رہی ہے۔ یہ رجحان ظاہر کرتا ہے کہ ای ویسٹ کی ری سائیکلنگ ایک بڑی صنعت بن چکی ہے۔

لیکن ای فضلہ کی ری سائیکلنگ کا کوئی منظم نظام موجود نہیں ہے۔ ایک ڈیلر نے بتایا کہ کراچی کے بعد پشاور، گوجرانوالہ، لاہور، اور فیصل آباد ای فضلہ کے ثانوی بازاروں کے طور پر ابھر رہے ہیں۔

شیر شاہ کے ہی ایک ای ویسٹ ڈیلر نے بتایا کہ اس کام میں چھوٹے ڈیلرز سے لے کر بڑی کمپنیاں تک شامل ہیں۔ ڈیلرز اور گودام مالکان اس دھندے میں اپنے نام کے ساتھ آتے ہیں لیکن بعض اوقات ان کے پیچھے بڑے کاروباری گروپ ہوتے ہیں جو قوانین کے مطابق ای ویسٹ کی ڈمپنگ کے اخراجات سے بچنے کے لیے انہیں مدد فراہم کرتے ہیں۔

ایک اور اہم بات یہ بھی ہے کہ ای فضلہ کی سستے داموں دستیابی نے بھی بہت سے غیر تربیت یافتہ لوگوں اور اسکریپ کا کام کرنے والے گودام مالکان کی اس جانب توجہ مبذول کرائی ہے اور وہ دیگر کام چھوڑ کر اس کام کی طرف راغب ہو رہے ہیں جس میں منافع نا صرف زیادہ ہے بلکہ فوری مل بھی جاتا ہے۔

لیکن ایک مسئلہ ای ویسٹ سے جڑے نقصانات کا بھی ہے۔

ای ویسٹ کا کاروبار اور صحت اور ماحول پر اثرات

عالمی صحت کی تنظیم کے مطابق، ای ویسٹ کی ری سائیکلنگ کے دوران مختلف زہریلی گیسیں، کیمیکلز، اور دھاتیں جیسے آرسینک، سیسہ، پارہ، ڈائی آکسن، بیریم آکسائیڈ، فاسفورس، نکل اور دیگر زہریلے عناصر ماحول اور انسانی صحت کے لیے سنگین خطرہ ہیں۔

کراچی کے مقامی ڈاکٹر منصور علوی کے مطابق ای-ویسٹ کی وجہ سے مختلف بیماریاں جن میں دمہ، پھیپھڑوں کی بیماریاں، بچوں کی جسمانی نشوونما میں کمی، اعصابی مسائل، آنتوں کی سوزش، نچلی اور اوپر کی سانس کے مسائل، جلد کی بیماریاں، اسہال، گیسٹرائٹس اور آنکھوں میں انفیکشن شامل ہیں۔

اسی طرح ای ویسٹ سے نکلنے والے اجزا حاملہ خواتین کے لیے بھی نہایت مضر ہیں۔ ان بیماروں کا شکار عموماً وہ مزدور اور خصوصاً بچے ہوتے ہیں جو غیر منظم ری سائیکلنگ کے عمل میں براہ راست شامل ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر علوی کے بقول اس کام کے دوران کینسر کے خلیات بننے کا خطرہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ زیادہ تر مزدور طبقہ بیماریوں کا شکار ہوتا ہے کیونکہ اسے پہلے ہی صاف پینے کا پانی اور اچھی کوالٹی کا کھانا میسر نہیں ہوتا۔ ای-ویسٹ میں زہریلے اور قیمتی مواد دونوں شامل ہوتے ہیں، لیکن قیمتی مواد کو نکالنے کی قیمت انسانی زندگی ہے۔

ماہر ماحولیات احسن تنویر کہتے ہیں کہ ای-ویسٹ کی پروسیسنگ میں جو عام اور ایک طرح سے غیر قانونی تکنیکیں استعمال ہو رہی ہیں، جیسے 'اوپن برننگ' یا کھلی جگہوں پر جلانا اور 'ایسڈ لیچنگ'، یہ بہت خطرناک عوامل ہیں۔ ان کے مطابق ان سے نہ صرف زہریلی گیسیں خارج ہوتی ہیں، بلکہ مس ہینڈلنگ کی وجہ سے کسی بھی وقت دھماکے کا بھی اندیشہ رہتا ہے۔

بھاری دھاتیں جیسے سیسہ (لیڈ) اور زنک، ہوا میں دھواں بن کر اڑتی ہیں جو سانس لینے کے دوران جسم میں داخل ہو سکتی ہیں اور بہت سنگین صحت کے مسائل پیدا کر سکتی ہیں۔ خاص طور پر وہ مزدور اور خصوصاً بچے جو مسلسل اس ماحول میں رہتے ہیں ان گیسوں کے سب سے زیادہ متاثرین ہیں۔

احسن تنویر نے بتایا کہ کراچی میں کیے گئے بعض مشاہدات سے پتہ چلا ہے کہ ہوا اور مٹی میں زنک اور سیسہ جیسے دھاتوں کی مقدار خطرناک حد تک زیادہ ہے۔ 'ان دھاتوں کی وجہ سے نہ صرف شہریوں کی صحت متاثر ہو رہی ہے، بلکہ یہ ماحول کو بھی نقصان پہنچا رہی ہیں اور ہوا میں ان دھاتوں کی زیادہ مقدار کسی حد تک موسم پر بھی اثر انداز ہو رہی ہے۔'

لیکن سراج اور شاہد اس کام کے پیچھے صحت سے متعلق چھپے خطرات اور سنگینی سے ناواقف ہیں۔ معاشی مجبوریوں کی بنا پر بھی وہ یہ خطرات مول لینے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

سراج نے کہا کہ 'ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کچھ نہیں ہو گا، اگر کچھ ہونا ہوتا تو شاہد یا چاچا کو کب کا ہو چکا ہوتا، وہ دونوں تو ٹھیک ہیں نا؟ بتاؤ تم؟ چاچا کو زخم ہوتا ہے لیکن جب وہ جب ہاتھ پر مرہم لگاتا ہے تو آرام آ جاتا ہے، اور جب زیادہ دھواں ہوتا ہے تو ہم منہ پہ کپڑا باندھ لیتے ہیں۔'

'اب میں باہر جا کر کوئی اور کام کروں گا تو خرچہ الگ ہو گا، آنے جانے کا کرایہ بھی لگے گا۔ ویسے بھی دیہاڑی پر کام مشکل سے ملتا ہے، پورا شہر مزدوروں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ ہنر ہے، ہر کسی کے بس کی بات نہیں، اور پھر یہاں اپنوں کے ساتھ ہوں۔'

'جب کام اچھی طرح سیکھ جاؤں گا تو مزدوری سے زیادہ پیسے کماؤں گا۔ باقی ہم تو ٹھنڈے علاقے کے سخت جان لوگ ہیں، یہ دھواں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

کرائم بیورو وکلا برادری میں چھا گیا!!

کراچی کی وکلا برادری میگزین کا مطالعہ کرتے ہوئے

تصاویری خبرنامہ

کراچی میں ذائقے اور ثقافت سے بھرپور ایرانی کیفے بند کیوں ہو رہے ہیں؟

کراچی میں ایرانی ریستوران کی ابتدا

ایرانی شہریوں کی برصغیر میں آمد تو کئی صدیوں سے جاری تھی لیکن یہاں کے جدید شہروں میں آبادی میں آنا اور کاروبار میں شمولیت کا پتہ 20ویں صدی کی ابتدا سے ملتا ہے۔ آرکیٹیکٹ اور ریسرچ ماروی مظہر کہتی ہیں کہ 20ویں صدی میں ایران کی کوئی اچھی تاریخ نہیں رہی، ہنگامہ آرائی، عالمی جنگیں، قحط اور خشک سالی، بغاوت اور انقلاب سب نے ایک ساتھ جنم لیا، اس غیر مستحکم ماحول میں کئی ایرانیوں نے روشن مستقبل کی تلاش میں ہجرت کی۔ 'انھیں بمبئی اور کراچی میں ایک اچھی جگہ ملی اور یہ ہی وہ وقت تھا جب یہاں ایرانی کیفے کی آمد ہوئی۔' کتاب 'اس دشت میں ایک شہر تھا' کے مصنف اقبال اے رحمان مانڈویا لکھتے ہیں کہ ایرانی برادری کا کراچی آ کر آباد ہونا زیادہ پرانی بات نہیں مگر 20ویں صدی کے اوائل میں جب کراچی کے شہری سہولیات و ادب سے مانوس ہوئے تو بغرض کاروبار ایرانی برادری کی کراچی میں آمد شروع ہوئی۔ کراچی کے قدیم کوچہ کھارادر میں متعدد ایرانی خاندان آباد تھے جو زیادہ تر قالین اور خشک میوہ جات کے کاروبار سے منسلک تھے۔ بمبئی بازار میں ان کے دفاتر اور دکانیں تھیں۔ ان میں مسلمان، پارسی اور بہائی مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔ یوں بتدریج ہوٹل اور بیکری کے کام سے وابستہ افراد کی تعداد بڑھتی گئی۔ کچھ ہی عرصے بعد شہر کے معروف ریستوران اور بیکریاں ایرانی ہی چلا رہے تھے۔ کتاب 'ایسا تھا میرا کراچی' کے مصنف محمد سعید جاوید لکھتے ہیں کہ حیرت انگیز طور پر کراچی میں ایرانی باشندوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ ان میں زیادہ تر لوگ بڑی کامیابی سے مختلف علاقوں میں ریستوران چلاتے تھے جن کو 'ایرانی ہوٹل' کہا جاتا تھا جو تقریباً شہر کی ہر سڑک اور چوراہے پر موجود ہوتے تھے۔ ایک وقت تو ایسا بھی تھا کہ کراچی کے ایسے ہوٹلوں پر ان کی مکمل اجارہ داری تھی۔

ایرانی ریستوران کراچی کا ورثہ

آرکیٹیکٹ اور ریسرچ ماروی مظہر ایرانی ریستوارنوں کی کراچی کے ورثے سے گمشدگی کو اس کی روح اور شناخت کا نقصان قرار دیتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ ورثہ صرف ایک عمارت نہیں ہوتی جو ایک حکم نامہ جاری کر کے اس کو ورثہ قرار دے دیا، دراصل اس میں جو لوگ رہتے ہیں ان کی زبان، تجربات، کہانیاں، ان طرز زندگی فن تعمیر ان سب کو زندہ میوزیم کی طرح دیکھنا چاہیے۔ 'ہمارے یہاں ایرانی کلچر پر بات نہیں ہوتی۔ اس کو نظر انداز کر دیا گیا، نوروز یا جو دوسرے تہوار ہیں ان کو ہم نے اپنے کیلنڈر میں وقت اور جگہ نہیں دی اور اس وجہ سے وہ لاپتہ ہو گئے ہیں۔' ماروی کے مطابق یہ وہ ثقافتی جگہیں ہیں جنھیں محفوظ بنانے کی ضرورت ہے لیکن محکمہ کلچر اس سطح پر کام نہیں کرتا بلکہ اوپری سطح پر کام کرتا ہے۔ وہ کہتی ہے اس ورثے کا کھو جانا شہر کے لیے نقصان ہے۔

ایرانی ہوٹلوں کے بند ہونے کی وجہ

ریلوے کوارٹرز کے قریب آئی آئی چندریگر روڈ کے ساتھ واقع 'یونائیٹڈ کافی ہاؤس' پچھلے دنوں بند کر دیا گیا تاہم اس پرانی عمارت کے باہر ابھی تک بورڈ لگے ہیں لیکن اندر کی طرف سے اس کو مسمار کر دیا گیا۔ جب ہم یہاں پہنچے تو صلاح الدین نامی شہری سے ملاقات ہوئی جو گذشتہ 40 برس سے یہاں آ رہے ہیں۔ انھوں نے سڑک کی دوسری طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں بھی ایک ایرانی ہوٹل تھا جو بند ہو گیا۔ صلاح الدین کہتے ہیں کہ 'دیگر ہوٹلوں کے مقابلے میں یونائیٹڈ کافی ہاؤس کے معیار میں زمین آسمان کا فرق تھا، چاہے وہ کھانا ہو، چائے ہو یا کافی۔ ان کے کھانے کا ذائقہ اور معیار بہترین تھا اور نرخ بھی مناسب تھے۔' کراچی میں 100 سے زائد ایرانی ہوٹل موجود تھے لیکن اب صرف گنتی کے چند ہی بچے ہیں۔ یہ ہوٹل شہر کے اہم مقامات پر ہوا کرتے تھے۔ خیر آباد ہوٹل کے مالک عباس علی کہتے ہیں کہ کراچی میں پراپرٹی کی قدر و قیمت بڑھ گئی تو عمارتوں کے مالکان نے ایک ایک کر کے سب کو نکال دیا۔ 'عمارتوں کے مالک عدالت بلا کر کہتے ہیں یہ جگہ خالی کرو۔ اب ہمیں یہاں ستر اسی سال ہو گئے ہیں۔ ہم آج بھی کرائے دار ہیں ہوٹل خرید نہیں سکتے کیونکہ ہمارے پاس پاکستانی شناختی کارڈ نہیں اور کوئی بھی ایرانی شہری یہاں جگہ خرید نہیں سکتا، ہر سال انکوائری ہوتی ہے تو پوچھتے ہیں پاسپورٹ کہاں ہے؟ جو بچے یہاں پیدا ہوئے ان تک کو شہریت نہیں ملی۔ اس لیے لوگ یہ سب چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔' عباس علی کہتے ہیں کہ نوجوان اس کاروبار میں آنا پسند نہیں کرتے کیونکہ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہم بینک اکاونٹ نہیں کھول سکتے۔ کیفے مبارک کے نوجوان مالک یوسف علی بھی اتفاق کرتے ہیں کہ نوجوان اس کاروبار میں آنا نہیں چاہتے اس لیے وہ دیگر شعبوں کی طرف چلے گئے۔ 'اس کے علاوہ کچھ ایسی وجوہات ہیں جو ہم کہہ بھی نہیں سکتے ہیں۔ بس یوں سمجھیے یہاں کام روز بروز مشکل ہوتا گیا، جس کی وجہ سے ایرانیوں نے کاروبار بند کر دیا، کچھ بیچ گئے اور کچھ چھوڑ گئے۔' ایم اے جناح روڈ پر واقع ایرانی ریستوران 'پہلوی ہوٹل' کے مالک کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا، اس سے قبل کھارادر میں کشمیری بیکری کے مالک صادق کشمیری کو ان کے بھتیجے سمیت قتل کیا گیا، ان سمیت نصف درجن ایرانی ہوٹل، بیکری مالکان، ایرانی ٹی کمپنی کے مالک ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنے۔ ملک میں فرقہ واریت اور مذہبی عدم برداشت کی صورتحال کی سنگینی کی وجہ سے ایرانی ہوٹل کے مالکان بات کرنے سے بھی کتراتے ہیں۔

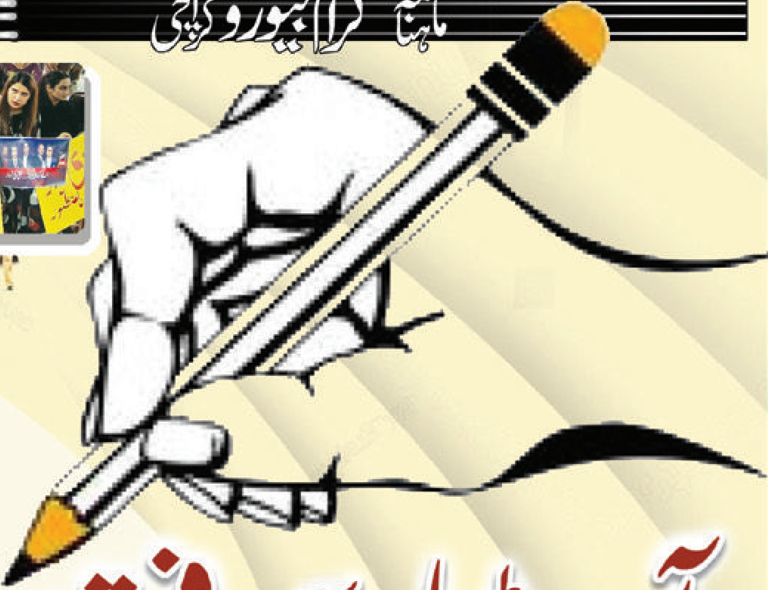

آزاد میڈیا اور آزاد صحافت

قلم کے اس دور میں غریب، بے بس، مظلوم اور لاچار انسان کی آواز

(تحریر: انور سلطان)

ملک کا اہم ترین ستون صحافت لیکن صحافت کرنے والے صحافیوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ صحافیوں کی بڑی بڑی تنظیمیں تو موجود ہیں لیکن صحافیوں کی فلاح و بہبود کے لیے کوئی عملی اقدامات نہیں کیئے جاتے۔

حال ہی میں صحافیوں کے ساتھ کئی واقعات رونما ہوئے جیسا کہ صحافیوں کو لوٹا گیا صحافیوں کو پولیس کی جانب سے اکثر و بیشتر انتقام کا نشانہ بنایا جاتا ہے فوٹو گرافرز کے کیمرے توڑ دیئے جاتے ہیں رپورٹرز کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور پھر پولیس کے اعلیٰ حکام کی جانب سے نمائشی کارروائی دیکھنے کو ملتی ہے اور ہماری صحافتی تنظیمیں صرف اپنے ممبرز کے لیئے ہیں اگر وہ صحافی اس تنظیم کا ممبر نہیں ہے تو کوئی بھی اس صحافی کی آواز نہیں بنتا۔

صحافیوں کی فلاح و بہبود کے لیئے کام کرنے والی تمام تنظیموں کو ایک پیج پر آنا ہو گا ورنہ صحافی ایسے ہی دربدر کی ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔

حال ہی میں ایک واقعہ جو کہ کورٹ رپورٹر ذیشان صلو کے ساتھ پیش آیا ذیشان صلو سینئر صحافی صلاح الدین صلو کے صاحب زادے ہیں۔

> ”مالک مکان کے اثر و رسوخ کی بناء پر صحافت سے جڑے کورٹ رپورٹر ذیشان صلو کو گھر سے باہر نکال دیا گیا۔ رپورٹر اس وقت دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہے۔ یہاں صحافتی تنظیموں کا کردار بظاہر عملی طور پر دکھائی نہیں دے رہا۔“

ذیشان صلو محمود آباد میں 8 سال سے کرائے کے مکان میں رہائش پذیر تھے بجلی کا بل زیادہ آنے کی وجہ سے مالک مکان نے نہ صرف گھر سے نکال دیا بلکہ زدو کوب بھی کیا اور دھمکیاں بھی دیں جب ذیشان صلو کی جانب سے پولیس کو اطلاع دی تو الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے پولیس کی جانب سے ذیشان صلو کو ہی ڈرایا اور دھمکایا جانے لگا اور کوئی سنوائی نہ ہو سکی۔

مالک مکان کے اثر و رسوخ کی وجہ سے کورٹ رپورٹر ذیشان صلو کو گھر سے باہر نکال دیا گیا اور اس کے گھر کا سارا سامان ضبط کر لیا گیا کہ بل کلیئر کرواو اور اپنا سامان لے جاؤں۔ کورٹ رپورٹر ذیشان صلو اس وقت دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہے۔

عنقریب ذیشان صلو کی بہن کی شادی متوقع تھی جس کا جہیز کا سامان بھی مالک مکان نے ضبط کر لیا ہے۔ ذیشان صلو اپنے بچوں کے ساتھ کبھی ایک رشتے دار کے گھر تو کبھی کسی دوسرے رشتے دار کے گھر رہ رہا ہے اعلیٰ حکام کو فوری طور پر اس کا سدباب کرنا ہو گا۔

اس طرح کے کئی صحافی روز خبروں کی زینت بنتے ہیں کئی صحافی بے یار و مدد گار پڑے ہیں صحافیوں کی فلاح و بہبود کی تنظیموں کو اس کے لیئے عملی اقدامات اٹھانے پڑینگے۔

شکارپور کی مٹی کے مادھو

الٰہی بخش سومرو

ملکی سیاست میں شرافت وضعداری کا باب ہمیشہ کیلئے بند

رپورٹ: آغا خالد

> انہوں نے سندھ کے ہم عصر سیاستدانوں سائیں جی ایم سید، ایوب کھوڑو، ذوالفقار علی بھٹو، حاکم زرداری، ممتاز بھٹو، حیدر آباد کے قاضی برادران، عبدالحفیظ پیرزادہ، غلام مصطفیٰ جتوئی کی سیاست، معاشرت اور شادیوں وغیرہ کے بھی کئی قصے سنائے جن میں حاکم زرداری کی زیڈ اے بخاری کی بیٹی سے دوسری شادی بھی شامل ہے۔

ملک کے معروف سیاستدان اور پیکر شرافت الٰہی بخش سومرو سو سالہ زندگی پا کر آج 19 کتوبر 2024 کو اپنے رب کے حضور پیش ہوگئے وہ نصف صدی تک ملکی سیاست پر چھائے رہے متعدد بار رکن قومی اسمبلی اور ایک بار اسپیکر قومی اسمبلی بھی رہے جبکہ بقول ہمارے محترم دوست منیرالدین کے وہ 80ء کی دہائی میں وزیر اعظم بھی بنتے بنتے رہ گئے گزشتہ صدی کے پاکستانی سیاست کے بادشاہ گر پیر صاحب پاگارہ نے محمد خان جونیجو کو ان پر فوقیت دے کر انہیں وزارت عظمٰی کے منصب پر فائز کروادیا مگر اس کے باوجود سومرو مرحوم نے پیر صاحب سے قطع تعلق نہ کیا اور اپنے رشتوں میں دراڑ نہ آنے دی وہ ایسے ہی شریف النفس انسان تھے رکھ رکھاؤ تہذیب، شرافت، وضعداری ان کا کمال کا وصف تھا میرا ان سے کوئی خاص تعلق تو نہ تھا مگر 1990 کی دہائی میں روزنامہ پبلک میں ملازمت کے دوران پبلک کے مالک انقلاب ماتری کے ذریعے ان سے ہوئی چند ملاقاتیں میری یادوں کا انمول سرمایہ ہیں دکھ کی اس گھڑی میں جن میں سے ایک میں قارئین کو بھی شریک کرنا چاہونگا، انقلاب ماتری کراچی کے ایک انتہائی معزز صحافی خاندان کے چشم و چراغ تھے ان کے والد فخر ماتری نے کراچی سے حریت اخبار اور وطن (گجراتی) کا اجرا کیا تھا یہ دونوں اخبار 1960/70 اور 80 کی دہائی تک کراچی کے معتبر اخبار سمجھے جاتے تھے جس نے کراچی کی صحافت کو بڑے نامور رپورٹر اور قلم کار دیے انقلاب ماتری نے اعلیٰ تعلیم تو بیرون ملک حاصل کی مگر کالج تک وہ کراچی میں زیر تعلیم رہے اور یہیں ان کی دوستی الٰہی بخش سومرو سے ہوئی جہاں دونوں کلاس فیلو اور بے تکلف دوست بنے ماتری صاحب کہتے تھے میں اپنے عظیم والد کا نالائق بیٹا ہوں، انہوں نے ورثہ میں ایک شاندار ادارہ چھوڑا تھا مگر میں اسے سنبھال نہ سکا اور اسی احساس کے تحت میںنے بڑھاپے میں روزنامہ پبلک شروع کیا تا کہ آخرت میں والد کے سامنے ندامت سے بچ سکوں وہ روزانہ شام 6 سے 8 بجے کے درمیان دفتر آتے اور پبلک کے ایڈیٹر انور سن رائے کے کمرہ میں روزانہ کی لیڈ یا سپر لیڈ اور دیگر 3/4 اہم خبروں پر مشورہ کرتے اس موقع پر میری کوئی اہم خبر ہوتی تو انور صاحب مجھے اپنے کمرہ میں بلا کر ان کے سامنے کھڑا کر دیتے انقلاب ماتری میں مالکان والا تکبر یا زعم نہ تھا وہ ایڈیٹر کے کمرہ میں بیٹھتے بھی بہت کم تھے کھڑے کھڑے سارے فیصلے کرتے جبکہ انور صاحب اپنی کرسی پر بیٹھے رہتے ماتری مجھ سے بھی خبر کے ذرائع دریافت کرتے میںنے اس دوران 3 برس میں ایک بار بھی انہیں ایڈیٹر کے کسی فیصلے سے اختلاف کرتے یا مشتعل ہوتے نہیں دیکھا ان کے چہرہ پر قدرتی مسکراہٹ ان کی انفرادی شناخت تھی اور وہ اسی مسکراہٹ کی آڑ میں بڑے اور مشکل فیصلے چٹکی بجاتے کرجاتے ایک ایسا ہفتہ بھی گزرا جب مسلسل میری لیڈ چھپی تو ماتری صاحب مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ انور سن رائے سے مخاطب ہو کر بولے یار یہ لڑکا یا تو اخبار بند کروادے گا یا پھر اسے بہت آگے لے جائے گا جب ان کا مجھ پر اعتماد بحال ہوا تو ایسے میربان ہوئے کہ اکثر اپنی نجی تقریبات یا حکام سے ملاقاتوں میں ایڈیٹر کے ساتھ مجھے بھی لیجاتے ایسی ہی ایک ملاقات میں وہ انور سن رائے کے ساتھ مجھے بھی الٰہی بخش سومرو کے گھر لے گئے بنگلہ کا گیٹ خود سومرو صاحب نے کھولا اور ہمیں پرتپاک انداز میں اپنے لمبے سے مہمان خانہ میں لے گئے بعد ازاں ہم خاموش بیٹھے ماتری صاحب اور سومرو مرحوم کے درمیان بے تکلف مگر تہذیب کے دائرہ میں ہوتی گفتگو سن رہے تھے اس دوران وہ دو مرتبہ گفتگو ادھوری چھوڑ کر معذرت کرتے اندرون بنگلہ چلے گئے اور پھر آ کر گفتگو میں شامل ہوگئے ابھی میں یہ معمہ حل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایک خوبرو نوجوان چائے کی ٹرے دھکیلتا ہوا مہمان خانہ میں داخل ہوا جسے انور سن رائے شاید جانتے تھے وہ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے سر آپ نے یہ تکلف کیوں کیا مگر انور صاحب کے اس عمل پر سومرو مرحوم ناگواری سے ہاتھ کا اشارہ کرکے بولے آپ بیٹھیں سائیں بیٹے کو کرنے دیں اس نوجوان نے ہم سے پوچھ کر چینی حسب فرمائش ڈال کر چائے پیش کی 4 پلیٹوں میں کیک کا ایک ایک ٹکڑا اور تین چار بسکٹس سجا کر سب کے سامنے رکھے اور پھر ٹرالی وہیں چھوڑ کر واپس چلا گیا چائے کے دوران بھی دونوں بے تکلف دوستوں کے درمیان پرانی یادوں کے ساتھ حالات حاضرہ پر گفت گو جاری رہی جب وقت رخصت ہوا تو گیٹ کے پاس پہنچ کر الٰہی بخش سومرو نے انور سن رائے کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر ماتری صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا سائیں انور صاحب یہ میرا بچپن کا مخلص دوست ہے اس لیے میں بیٹے کو تاکید کر کے آیا تھا کہ چائے خود لاتا اور پیش بھی خود کرتا تا کہ میرے بعد بھی انہیں معلوم ہو کہ ہمارے بابا کا دوست کون ہے اور اس کی کس طرح عزت کرنا ہے سومرو صاحب ہمیشہ الوداع کرنے خود آتے اور گاڑی کے بنگلے سے نکلنے تک کھڑے رہتے بعد میں انور صاحب نے بتایا کہ ان کے بیٹے جو چائے لائے وہ اس وقت نیشنل بینک کے صدر ہیں الٰہی بخش سومرو میں یہ خوبی بھی مزاج اتم موجود تھی کہ وہ آگ اور پانی سے بیک وقت تعلقات کامیابی سے برقرار رکھتے تھے ورنہ بیک وقت نواز شریف اور پیر پاگارہ سے تعلقات نبھانا گڈے گڑیا کا کھیل نہ تھا وہ پیر پاگارہ کے معتقد خاص اور دوست جبکہ نواز شریف ان کے لیڈر اور نواز کی وجہ سے ہی وہ ایک سے زائد بار رکن اسمبلی اور سب سے بڑے ایوان کے اسپیکر بھی منتخب ہوئے اور ان کے بیٹے نیشنل بینک کے صدر بھی نواز دور میں ہی رہے دیگر کئی اور ملاقاتوں میں انہوں نے سندھ کے ہم عصر سیاستدانوں سائیں جی ایم سید، ایوب کھوڑو، ذوالفقار علی بھٹو، حاکم زرداری، ممتاز بھٹو، حیدر آباد کے قاضی برادران، عبدالحفیظ پیرزادہ، غلام مصطفیٰ جتوئی کی سیاست، معاشرت اور شادیوں وغیرہ کے بھی کئی قصے سنائے جن میں حاکم زرداری کی زیڈ اے بخاری کی بیٹی سے دوسری شادی بھی شامل ہیں وہ پھر کبھی سہی، اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنے بعد اپنے بیٹوں سے جن کی عزت کروانا چاہتے تھے وہ انقلاب ماتری سومرو صاحب سے کئی برس پہلے ہی داغ مفارقت دے گئے اور شکارپور کی مٹی سے بنے شرافت و وضعداری کے مادھو سیاست کی دنیا میں نئی داستانیں رقم کر کے آج 98 برس کی عمر میں اپنے رب کے حضور پیش ہوگئے یوں جوہر نیاز مندی کی سیاست کا ایک اہم باب ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

کلامِ باباگُرونانک

پاک ذات کی اتباع میں رہ کر پنجاب کے احد پرست بزرگ باباگُرونانک نے جو کلام بیان فرمایا ہے۔
باباگُرونانک کے عقیدت منداس کلام کے الفاظ کو حرزِجاں مانتے ہیں۔
صبح صادق کے وقت میں احد کے قُرب کی چاہت میں احد کے حضور حاضر ہو کر اس کلام کا سچے من سے ورد کرتے ہیں۔
ہندو، مسیح، یہودی اور مُسلم بھی اس کلام کو مان اور جان سکتے ہیں۔

اِک اونکار ست نام کرتاپُرکھ نِربھو نِرویر
اکال مُورت اجُونی سے بھنگ گُرو پرساد

ترجمہ: اک خُدا (احد) ہے۔اِسی کانام سچا ہے۔
وہ بے خوف بے لوث ہمیشہ کا رہنے والا ہے، کائنات میں جو بھی کرتا ہے وہی کرتا ہے۔
وہ موت اور جنم سے پاک، خود ہی قائم ہے۔
اپنے گُرو (مُرشِد) کی رحمت سے، اِسی کانام جپنا چاہیے۔
خلاصہ: اس بیت میں سورہ اخلاص کی جھلک واضح نظر آتی ہے۔
باقی حقیقی گُرو (مُرشِد) حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عالمین کی رحمت ہیں۔
مُرشِد کیلیے بھی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی ہیں۔

آد سچ جگاد سچ
ہے بھی سچ
نانک ہوسی بھی سچ

ترجمہ: (احد) وہ سچا روزِازل سے بھی پہلے کا ہے۔
اور وہ سچا روزِازل بھی ہے۔
نانک وہ سچا آج بھی ہے اور وہی سچا کل بھی ہے۔

خلاصہ: (احد) وہ پاک ذات ہمیشہ سے ہے اور سچ ہے۔
اس میں آج اور کل کا تصور نہیں ہے۔
وہ احد ازل سے بھی پہلے کا ہے اور ازل میں بھی ہے اور ازل کے بعد بھی ہے۔
اور ہمیشہ اُسی احد نے موجود اور قائم رہنا ہے۔

تحریر: حسن معظم

تخلیقِ کائنات

تحریر: ماہم چوہدری

نقطہ

کائنات ایک نقطہ میں بند تھی۔ نقطہ کے سوا کچھ بھی نہ تھا اور نقطہ کا سائز اتنا چھوٹا تھا کہ آپ تصور بھی نہیں کرسکتے یعنی ہم جس سائز کے نقطہ کو دیکھتے ہیں اس کے اربوں کھربوں حصے سے بھی چھوٹا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نقطہ بھی نہ تھا۔ یعنی مادہ کسی صورت میں بھی کچھ نہ تھا۔ ایٹم، مالیکیول، الیکٹران، پروٹان، نیوٹران اور نہ ہی (Gravity) تھی۔ اصل بات تو یہ ہے کہ نقطہ کا ذکر سب سمجھنے اور سمجھانے کیلئے ہے۔ سائنسدانوں کے مطابق نقطہ گرم تھا لیکن اس میں گرمی کی انتہائی حد کیا تھی ابھی تک کوئی سائنسدان نہیں بتاسکا۔

واحد (Singularity)

سائنس دان اس نقطہ کو (Singularity) یعنی واحد کہتے ہیں۔ سائنسدانوں نے (Singularity) کی حقیقت کے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا۔ میرے خیال میں (Singularity) کو سمجھنے کیلئے عقیدہ وحدت الوجود اور اس کے علاوہ بہت کچھ سمجھنا ہوگا اور یہ سب کچھ سمجھنے کیلئے ہمیں وہ عبادت کرنا ہوگی جو عبادت (مراقبہ) غارِ حرا میں ہمارے نبی حضرت محمد عربی ﷺ نے کی۔

نقطہ (Big Bang)

ترجمہ: ”کیا کافروں نے یہ خیال نہ کیا کہ آسمان اور زمین بند تھے تو ہم نے انہیں کھولا۔ اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی۔ تو کیا وہ ایمان لائیں گے؟“

(سورہ انبیاء۔ آیت: 30)

قرآن حکیم کی ان آیات پر تفکر کرنے سے جو نقشہ ذہن میں ابھرتا ہے وہ ہو بہو بگ بینگ کے نظریہ جیسا ہے۔ اکیس ارب سال قبل کائنات لامتناہی قوت والے ”نقطہ“ میں بند تھی۔ اس نقطہ کے پھٹنے کو ہی بگ بینگ کہا جاتا ہے۔ سائنسدانوں کے مطابق سیکنڈ کے کھربویں حصہ میں کائنات ایک خاص چھوٹے سے نقطہ کی شکل اختیار کر گئی اور صرف تین منٹ بعد اس کا رقبہ دس کھرب کلومیٹر کے برابر ہو گیا۔ بگ بینگ ہونے کے ایک سیکنڈ کے اندر اندر کیا ہوا۔ اس سیکنڈ کی تفصیل بہت لمبی ہے۔ مختصر کر کے صرف اتنا بتانے کی کوشش کرتی ہوں کہ پہلے سیکنڈ کے ابتدائی دور میں فزکس کے قوانین واضح ہونے لگے اور کشش ثقل یعنی (Gravity) وجود میں آنے لگی۔ اس کے بعد یہ کائنات جو نقطہ سے بھی چھوٹی بلکہ (Zero Mass) والی تھی۔ اس سے بڑھ کر ایک فٹ بال کی مثل ہو گئی۔ الیکٹران اور ایٹمی ذرے بننے لگے۔ ٹمپریچر کم ہو کر ایک ارب ڈگری سینٹی گریڈ رہ گیا۔ (یعنی ایک کے بعد بے شمار زیرو لگائے)۔

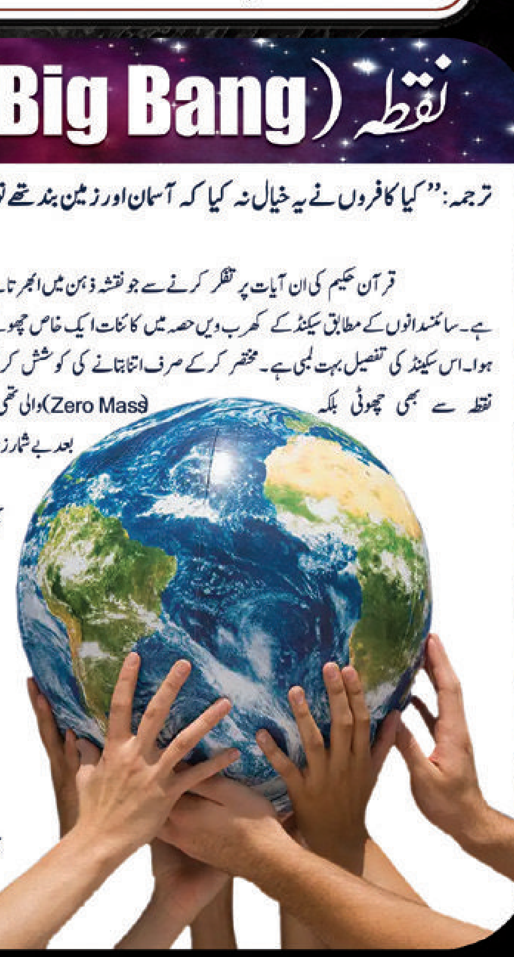

جب ایک سیکنڈ کا دس لاکھواں حصہ گزر گیا تو نیوٹران اور پروٹان وغیرہ آپس میں جڑ کر ایٹمی ذرے بنانے لگے۔ اس وقت تک کائنات پھیل کر ہمارے نظام شمسی کے برابر ہو چکی تھی اور ٹمپریچر گر کر دس ہزار ارب ڈگری سینٹی گریڈ ہو چکا تھا۔ یہ سب بگ بینگ کے ابتدائی ایک سیکنڈ کے اندر اندر ہوا۔ ایک سیکنڈ کے بعد الیکٹرومیکنیک واضح ہونے لگے اور ٹمپریچر گر کر دس ارب ڈگری سینٹی گریڈ رہ گیا۔ بگ بینگ کے تین منٹ بعد نیوٹران اور پروٹان وغیرہ جڑ کر کائنات بنانے لگے اور ٹمپریچر گر کر ایک ارب ڈگری سینٹی گریڈ رہ گیا۔ مادہ ٹھنڈا ہونے پر ہائیڈروجن اور ہیلیئم گیسوں میں تبدیل ہو گیا۔ بگ بینگ کے سات لاکھ سال بعد قابلیت اتنی ہو گئی کہ الیکٹران سے مل کر ایٹم بننے لگے۔ ایٹم بننے سے فوٹان خارج ہوا اور پہلی بار کائنات شفاف ہو گئی۔ یاد رہے کہ بگ بینگ کے چار لاکھ سال تک پوری کائنات ایٹمی ذرات کے دھویں پر مشتمل تھی اور ڈارک انرجی اس دھویں کو پھیلانے میں مصروف عمل تھی تو دوسری طرف (Gravity) ان ذرات کو ملا کر سیارے، ستارے اور کہکشائیں بنانا چاہتی تھی۔ اس عظیم کشمکش کے متعلق قرآن حکیم میں واضح آیت موجود ہے۔

ترجمہ: ”پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا۔ تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے۔ دونوں نے عرض کی کہ ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے“۔

(سورہ حٰم السجدہ۔ آیت: 11)

یعنی (Gravity) نے ڈارک انرجی پر فتح پالی۔ اور زمین، سیارے، کہکشائیں وجود میں آ گئے۔

کربلا، انسانیت اور ظلم؟

سید قلب عباس

قارئین کرام میں نے آج تک جتنا بھی تحریر کیا ہے اس کا ماحاصل یہ ہے کہ واقعہ کربلا نہ سیاست نہ ہی بادشاہت کیلئے پیش آیا بلکہ حق وباطل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنا پر پیش آیا امام عالی مقام اپنے نانا کی امت کی اصلاح اور دین اسلام کی بقاء چاہتے تھے۔

مدینہ سے میدان کربلا بلکہ اپنی آخری سانس تک اجتماعی اور انفرادی اصلاح میں مصروف رہے۔ جب وقت آخر قریب آ گیا تھا فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ کوئی شخص میرے قتل کی وجہ سے جہنم میں جائے۔ لہذا، امام عالی مقام نے ایک مرتبہ پھر کوشش کی کہ انہیں سمجھائیں اور اپنے قتل سے باز رکھیں۔

امام عالی مقام میدان کی طرف آئے اور دشمن کی طرف منہ کر کے انہیں ان الفاظ کے ساتھ نصیحت کی۔

"اے اللہ کے بندو خدا کا تقوی اختیار کرو اور دنیا سے بچ کر رہو کیونکہ اگر دنیا کسی کیلئے باقی رہتی یا کوئی دنیا میں جاویدانی طور پر رہتا تو تمام لوگوں سے زیادہ انبیاء اس بات کے مستحق تھے اور وہ اپنے معبود سے بھی سب سے زیادہ راضی تھے لیکن خداوند تعالی نے دنیا کو ابتلاء و آزمائش کیلئے پیدا کیا ہے اور دنیا والوں کو فنا کیلئے خلق فرمایا ہے دنیا کی ہر نئی چیز بوسیدہ ہو جائے گی اسکی نعمتیں ختم ہو جائیں گی اور اس کا سرور تلخی میں بدل جائے گا۔ دنیا رہائش کرنے کی جگہ نہیں بلکہ توشہ کے حصول کا مقام ہے لہذا تم یہاں سے آخرت کیلئے توشہ تیار کر کے جاؤ کیونکہ بہترین توشہ تقوی ہے اور خدا کے تقوی کی عادت کر لو تا کہ تم فلاح پا جاؤ"

قارئین! جب مظلوم کربلا نانا جان کی امت کو نصحت کر چکے تو اپنا سر سجدے میں رکھ دیا اور اپنے معبود کے ساتھ ان الفاظ میں محو مناجات ہو گئے۔

"اے رب تیری قضا اور تیرے فیصلے پر صبر کیے ہوئے ہوں تیرے بغیر کوئی معبود نہیں۔ اے فریاد کرنے والوں کی فریاد کو پہنچنے والے اللہ میرے لئے تیرے سوا کوئی رب نہیں۔ اور تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اے اسکی فریادرسی کرنے والے جس کی فریادرسی کوئی نہیں کرتا، میں تیرے حلم اور بردباری پر صابر ہوں اے وہ ہستی جو ابدی اور دائمی ہے۔ اے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے والے، اے وہ جو اپنی تمام مخلوق کے ہر ایک اعمال، افعال و کردار کا شاہد آگاہ اور ناظر ہے۔ میرے اور ان کے درمیان میں خود ہی فیصلہ فرما کہ تو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے"

قارئین! کاش یہاں تاریخ خاموش ہو جاتی اور آگے کچھ نہ ملتا، مگر ہائے صد افسوس جس حسین علیہ السلام کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے تھے کہ حسین منی وانا من الحسین۔ تیروں تلواروں اور نیزوں کے زخموں سے نڈھال تین دن کی بھوک کے پیاسے عزیزوں کی موت کا داغ دل پر لئے مخدرات عصمت کی چادروں کے چھننے اور قیدی ہونے کے اندیشوں کا دل میں موجزن سمندر لیےحسین علیہ السلام کی یہ کیفیت دیکھ کر، شر ملعون نے بلند آواز کے ساتھ اشقیاء کو کہا کہ تمہاری مائیں تمہارے سوگ میں بیٹھیں کیا دیکھ رہے ہو؟ اس پر ہر طرف سے حملہ کیوں نہیں کرتے؟ پس یہ سن کر ایک مظلوم و بیکس انسان پر پوری فوج نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا، پھر وہی ہوا جو شاید کبھی نہ ہوا نہ ہو گا

''عجب مذاق ہوا اسلام کی تقدیر کے ساتھ
قتل شبیر ہوا نعرہ تکبیر کے ساتھ''

آخر میں اس شہید اعظم کے ناحق خون بہنے کا واسطہ دے کر خداوند متعال سے دعا کرتے ہیں کہ مالک ہمیں حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے کی ہمت طاقت جرات سماعت بصیرت فکر و شعور عنایت فرما الہی آمین۔

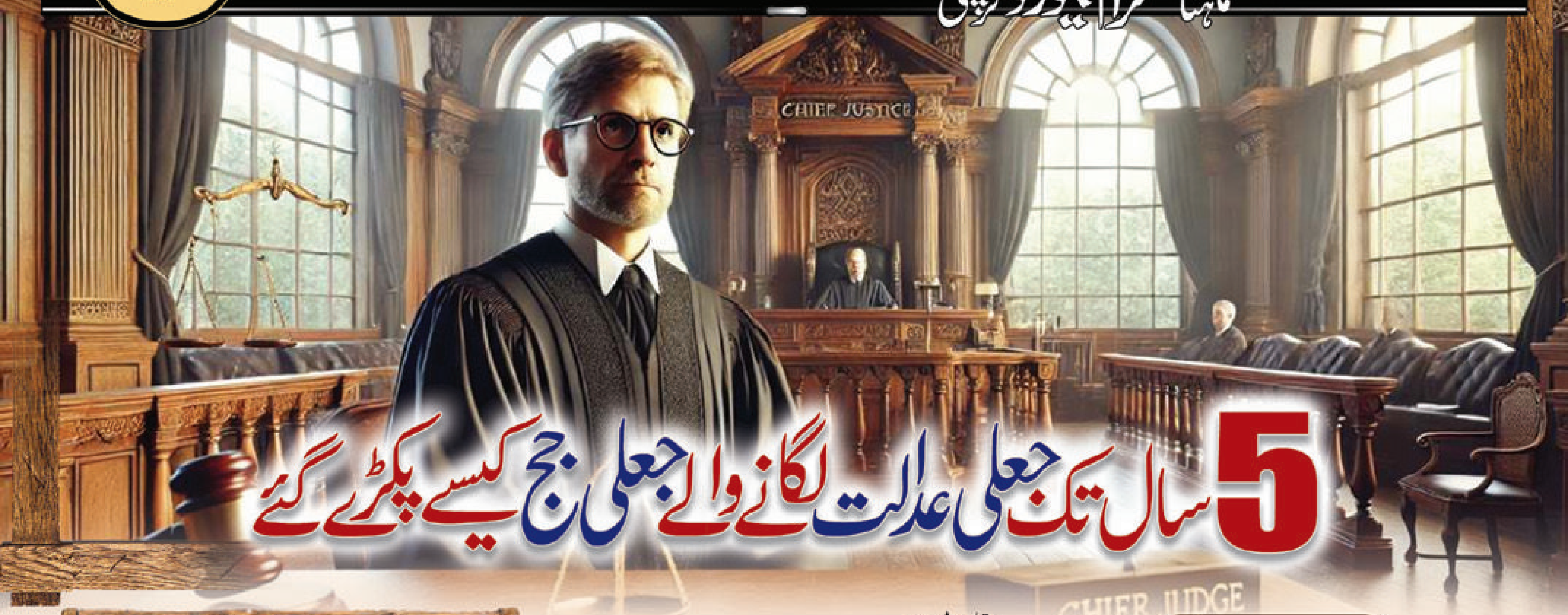

5 سال تک جعلی عدالت لگانے والے جعلی جج کیسے پکڑے گئے

مصنف: مرزا اے بی بیگ

انڈیا میں جعلی سرکاری دفتر، جعلی سرکاری افسران، جعلی ٹول پلازہ، اور جعلی بینک کے بعد اب ریاست گجرات میں ایک جعلی اور فرضی عدالت کا بھانڈا پھوٹا ہے جس میں ناصرف جعلی جج، جعلی وکیل اور جعلی اردلی موجود تھے بلکہ جعلی دستاویزات کی بنیاد پر مقدمات کی سماعت ہوتی تھی اور فیصلے سُنائے جاتے تھے۔

ریاستی دارالحکومت احمد آباد پولیس نے پیر کے روز ایک شخص (جعلی جج) کے خلاف فرضی ثالثی ٹریبونل چلانے اور سنہ 2019 اور 2024 کے درمیان ثالثی کے متعدد احکامات پاس کرنے کے الزامات کے تحت ایف آئی آر درج کی ہے۔

اس ایف آئی آر کے اندراج کے بعد پولیس نے گاندھی نگر کے رہائشی 37 سالہ موریس سیموئل کرسچن کو گرفتار کر لیا ہے جو مبینہ طور پر اس ثالثی عدالت میں جج کا کردار ادا کرتے تھے۔ یہ خبر سامنے آنے کے بعد ناصرف سوشل میڈیا صارفین کی جانب سے حیرت کا اظہار کیا جا رہا ہے اور لوگ طرح طرح کے میمز بھی شیئر کر رہے ہیں۔

یاد رہے کہ ابھی کچھ دن پہلے ایک اور انڈین ریاست چھتیس گڑھ میں سٹیٹ بینک آف انڈیا کی جعلی برانچ کا معاملہ سامنے آیا تھا جس میں جعلی تقرریوں کے عوض شہریوں سے لاکھوں روپے بٹورے گئے تھے۔

بہرحال مبینہ جعلی عدالت کے معاملے پر پولیس نے بتایا ہے کہ موریس سیموئل کرسچن کو درج کی گئی ایف آئی آر پر تحقیقات کے بعد گرفتار کر لیا ہے۔ انڈین ذرائع ابلاغ کے مطابق یہ ایف آئی آر احمد آباد کے سٹی سول کورٹ کے رجسٹرار ہاردک دیسائی کی شکایت پر درج کی گئی تھی۔

پولیس نے بتایا کہ موریس سیموئل گذشتہ کئی برس سے ثالثی پر مبنی فیصلے بھی سُنا رہے تھے۔ سنہ 2019 میں موریس سیموئل نے ایک شخص چندا جی ٹھاکر کے حق میں زمین کی ملکیت کے ایک تنازعے سے متعلق فیصلہ سنایا تھا۔

تاہم یہ کیس چلتے چلتے جب احمد آباد کی سول عدالت میں عملدر آمد کے لیے پیش کیا گیا تو عدالتی حکام نے اس کیس کے ساتھ لف دستاویزات کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا اور پولیس میں شکایت کی گئی جس کی بنیاد پر یہ گرفتاری عمل میں آئی۔

پولیس کے مطابق موریس کرسچین مبینہ طور پر گذشتہ کئی برسوں سے اُن لوگوں کو نشانہ بنا رہا تھا جن کے زمین کی ملکیت سے متعلق تنازعات سول کورٹ میں زیرِ التوا تھے۔ وہ انھیں اپنے مقدمات کے حل کے لیے فیس ادا کرنے پر مجبور کرتے تھے۔

پولیس کا کہنا ہے کہ کرسچین خود کو عدالت کے مقرر کردہ سرکاری آربٹریٹر یا منصف کے طور پر پیش کرتے، اپنے مؤکل کو اپنے نجی دفتر بلاتے جو ایک عدالت کے کمرے کی طرح نظر آتا تھا۔

ایف آئی آر میں کہا گیا ہے کہ کرسچن نے اپنے دفتر میں 'کمرہ عدالت جیسا ماحول' قائم کیا ہوا تھا۔ اُن کے ساتھی عدالتی عملے یا وکیل کے طور پر اُن کے سامنے پیش ہوتے اور وہ جج کا روپ دھار کر ثالثی پر مبنی جھوٹے احکامات جاری کرتے۔

پولیس کے مطابق جھوٹی عدالتی کارروائیوں کے ذریعے وہ مبینہ طور پر قیمتی سرکاری اراضی کی ملکیت کے فیصلے نجی افراد کو منتقل کرنے کے دعوے تیار کرواتے اور اس ضمن میں فیصلے سناتے۔

بی بی سی گجراتی سروس کے صحافی بھارگو پاریکھ نے یہ پتا چلانے کی کوشش کی کہ آخر موریس سیموئل کرسچن کون ہیں جنھوں نے اتنے دنوں تک بھولی بھالی عوام کو لوٹا اور یہاں تک کہ سرکاری افسران اور کلکٹر تک کو اپنے فیصلوں پر عملدر آمد کروانے سے متعلق نوٹس بھیجے۔

موریس کرسچن کون ہے؟

احمد آباد زون-2 کے ڈی سی پی شریپال شیشاما نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ موریس کرسچن دراصل سابرمتی کے رہنے والے ہیں۔ کرائم برانچ میں درج تفصیلات کے مطابق جھوٹے دستاویزات کی بنیاد پر سنہ 2015 میں ان کے خلاف دو مقدمات دائر کیے گئے تھے۔

موریس کرسچن کے ایک پرانے پڑوسی سیموئیل فرناڈس نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ موریس بچپن سے ہی 'بڑے خواب دیکھنے والے انسان' تھے۔

سیموئل فرنانڈس نے دعویٰ کیا کہ اُن کی لوگوں سے پیسے اُدھار لے کر واپس نہ کرنے کی عادت تھی اور اسی نوعیت کے تنازعات اور لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے انھیں اپنے پرانے علاقے سے نکلنا پڑا تھا۔

انھوں نے بتایا کہ اس کے بعد کی زندگی کے بارے میں انھیں نہیں معلوم کیونکہ کرسچن کا خاندان ان کے علاقے سے منتقل ہو گیا تھا۔

سیموئل کے مطابق بعدازاں وہ ان سے ایک دفعہ ملے تھے اور اس ملاقات میں انھوں نے بتایا تھا کہ انھوں نے بیرون ملک تعلیم حاصل کر لی ہے جس کے بعد وہ جج بن گئے ہیں۔

اسی طرح گجرات بار کونسل کی ڈسپلنری کمیٹی کے چیئرمین انل کیلا نے بی بی سی سے بات چیت میں کہا کہ 'سنہ 2006 کے آخر میں ہم ایک 28-29 سالہ نوجوان کو کالے کوٹ میں وکلا کے ساتھ گھومتے ہوئے دیکھا کرتے تھے۔ احمد آباد کی مختلف عدالتوں میں لمبے بالوں والا ایک شخص بیگ پکڑے اسسٹنٹ کے ساتھ کالے کوٹ میں ملبوس نظر آتا تھا۔'

'ہمیں لگا کہ 28-29 سال کا ایک نوجوان کسی کا معاون بن کر سیکھنے آ رہا ہے۔ ایک بار جب ہم نے ان سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس نے بیرون ملک تعلیم حاصل کی ہے اور اس کے پاس ہر ملک میں قانون کی پریکٹس کرنے کے لیے ڈگری ہے۔'

انھوں نے مزید کہا کہ 'ہمیں پہلا شک یہ ہے کہ اگر کوئی غیر ملکی بڑی ڈگری لے کر آتا ہے تو وہ سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ میں پریکٹس کرتا ہے وہ لوئر کورٹ میں پریکٹس کیوں کرے گا؟ لہٰذا بار کونسل نے اُن کی ڈگریوں کی جانچ پڑتال کی تو ان کی ڈگری جعلی ثابت ہوئی، اس کے پاس وکالت کا لائسنس بھی نہیں تھا، اس لیے ہم نے اس کے خلاف شکایت درج کروائی تھی۔'

انھوں نے کہا کہ احمد آباد میں کئی وکلا اُن کے کرتوتوں سے واقف تو تھے مگر یہ نہیں پتا تھا کہ وہ اپنی فرضی عدالت بھی چلا رہے ہیں۔

موریس نے جعلی عدالت کیسے بنائی؟

سنہ 2015 میں عدالتوں پر بوجھ کم کرنے کے لیے حکومت نے خصوصی ثالثی عدالتیں قائم کی تھیں جن کے تحت فریقین کی منظوری سے مقدمات کے حل کے لیے ثالث اور مصالحت کار مقرر کیے جاتے ہیں۔

بی بی سی کے بھارگو پاریکھ کے مطابق موریس کرسچن نے کہیں سے ثالث کا سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا اور اپنی جعلی عدالت شروع کر دی۔ سب سے پہلے انھوں نے گاندھی نگر کے سیکٹر 21 میں عدالت شروع کی، جہاں انھوں نے دو ٹائپسٹ رکھے، ایک اردلی رکھا اور فیصلے سنانا شروع کر دیے۔

اسی طرح کے ایک متنازع فیصلے کے بعد جب اس کے خلاف پولیس میں شکایت درج کروائی گئی تو وہ راتوں رات اپنی عدالت بند کر کے گاندھی نگر کے سیکٹر 24 میں منتقل ہو گئے اور یہ کام وہاں شروع کر دیا۔

سٹی سول کورٹ کے مطابق موریس کرسچن نے متنازع اراضی کے مقدمات میں ایک سال میں 500 فیصلے سنائے ہیں۔

سوشل میڈیا پر اس تعلق سے جعل سازی اور دھوکے کے پرانے واقعات بھی پیش کیے جا رہے ہیں جبکہ کچھ لوگ ریاست گجرات کو اس معاملے میں سب سے آگے بتا رہے ہیں۔

نیر ہونامی ایک صارف نے خبر شیئر کرتے ہوئے لکھا کہ 'تصور کریں کہ وہ پانچ سالوں تک یہ کام کرتا رہا اور کسی کی توجہ نہیں گئی۔ جعلی کرنسی، جعلی ڈگریاں، جعلی تاجر، جعلی عالمی رہنما، جعلی جج، جعلی عدالت ۔۔۔ ایسا لگتا ہے کہ گجرات میں ایک ہی چیز اصلی ہے وہ منشیات ہے جو وہ پکڑتے ہیں اور ہر کوئی اسی میں مست ہے۔

رضوان کو سانس لینے کی بھی فرصت نہ ہوگی

بالآخر پاکستان کرکٹ بورڈ نے محمد رضوان کو دریافت کر ہی لیا

برس ہا برس بڑے ناموں کی بے انتہا اناؤں کے گرد چکر کاٹنے کے بعد بالآخر پی سی بی کو سمجھ آ ہی گئی کہ دایاں کان پکڑنے کے لیے بایاں ہاتھ سر کے اوپر سے گھما کر لانا ضروری نہیں۔ بالآخر پاکستان کرکٹ بورڈ نے محمد رضوان کو ’دریافت‘ کر ہی لیا۔

جیسے انگلینڈ کے خلاف حالیہ ٹیسٹ سیریز کے بعد برینڈن میکلم حیران ہوئے کہ پاکستان کو اپنی ہوم کنڈیشنز سمجھنے میں اتنا عرصہ کیسے لگ گیا، ویسے ہی محمد رضوان کو قیادت تھمانے کا یہ فیصلہ بھی خوشگوار حیرت کا باعث ہوا ہے کہ شاید واقعی اب راہ راستی کا ارادہ کر لیا گیا ہے۔

یہ حیرت اس امر سے بھی ہے کہ رضوان ہی بالآخر وہ کھلاڑی ہیں جو اپنے کرئیر کا بہترین وقت انٹرنیشنل کرکٹ سے دور گزارنے پہ یوں مجبور رہے کہ وکٹ کیپر سرفراز احمد کے کپتان ہوتے ہوئے ان کی جگہ نہ بن پانے کا جواز پیش کیا جاتا رہا حالانکہ تب بھی وہ راشد لطیف کے بعد پاکستانی تاریخ کے بہترین وکٹ کیپر تھے جو رنز کے انبار بھی لگا سکتے تھے۔

اور بالآخر جب رضوان کی ٹیم میں جگہ بنی بھی تو پے در پے پاکستان کے لیے فاتحانہ اننگز کھیلنے اور وکٹوں کے پیچھے ناقابلِ یقین درستی دکھانے کے باوجود بہت سے مبصرین کے دلوں میں کھٹکتے رہے اور ایک شاندار کرئیر کو دھندلانے کے لیے سٹرائیک ریٹ کا قومی بیانیہ گھڑا گیا۔

یہ شاید اسی کراچی لاہور رقابت اور سرفراز احمد کا بہت بہتر متبادل بن کر سامنے آنے کی قیمت تھی کہ شروع سے ہی قیادت کا موزوں ترین امیدوار ہونے کے باوجود ہمیشہ ان سے صرفِ نظر کیا جاتا رہا اور کسی بھی چیئرمین کو یہ جرات مندانہ قدم اٹھانے کا حوصلہ نہ ہوا جو صحافتی حلقوں کی اکثریت کے لیے ناقابلِ قبول تھا۔

اب جبکہ بالآخر انہیں قیادت تھمانے کا فیصلہ کر ہی لیا گیا ہے تو انھیں سانس لینے کی بھی مہلت نہ ہو گی کہ پہلی ذمہ داری ہی مشکل ترین ہے۔ وہ آسٹریلیا کہ جس کا ذکر سنتے ہی پاکستانی شائقین بھی سبھی امیدوں سے دامن جھاڑ بیٹھتے ہیں، وہیں رضوان کو بطور قائد اپنی اہمیت ثابت کرنے کا دشوار ترین چیلنج درپیش ہو گا۔

مگر اس چیلنج سے نمٹنے کو جو سکواڈ انہیں فراہم کیا گیا ہے، وہ سبھی باصلاحیت ناموں اور بھرپور تجربے پہ مشتمل ہے۔ بابر اعظم، شاہین آفریدی اور نسیم شاہ کی واپسی کے بعد مزید تقویت یہ بھی ہے کہ محمد حسنین کی شاندار پیس اور فارم کا ہتھیار بھی دستیاب ہو گا۔

بطور کپتان محمد رضوان میں بھرپور صلاحیت ہے کہ وہ اپنے بولرز کو ہر مخالف بلے باز کے لیے موثر پلاننگ فراہم کر سکیں۔ مگر آسٹریلیا میں اپنے بولرز کی رہنمائی سے زیادہ بڑا چیلنج اس تگڑے آسٹریلوی پیس اٹیک کے سامنے اچھے رن ریٹ پہ بڑے مجموعے بنانا ہو گا۔

بطور بلے باز رضوان کی صلاحیتیں کسی بحث کی محتاج نہیں اور بابر اعظم کے ہمراہ مڈل آرڈر میں وہ اننگز کو بخوبی سنبھال سکیں گے لیکن ٹاپ آرڈر میں فخر زمان ایک ایسے بلے باز ہیں جو ہر ٹیم اپنی الیون میں دیکھنا چاہے گی۔

پی سی بی نے فخر زمان کو سینٹرل کنٹریکٹ لسٹ سے ڈراپ کرنے کا فیصلہ اگرچہ ان کے فٹنس ٹیسٹ سے جوڑنے کی کوشش کی ہے مگر یہ بجائے خود مضحکہ خیز اور اپنی نوعیت میں نادر مثال ہو گی کہ کوئی کھلاڑی فارم اور ٹیلنٹ سے قطع نظر محض فٹنس ٹیسٹ کی بنیاد پر سینٹرل کنٹریکٹ سے خارج ہو جائے۔

کیونکہ اصل مدعا یہاں فٹنس نہیں، ڈسپلن ہے۔ پی سی بی کا اظہارِ وجوہ نوٹس ان سے بابر اعظم کے ڈراپ لیے جانے بارے تنقیدی ٹویٹ کے حوالے سے تھا۔ مگر فخر زمان نے نوٹس کا جواب اپنی لیگل ٹیم کے ذریعے دینے کا فیصلہ کیا اور اب معاملہ قانونی لڑائی کا ہو چکا، جس پہ غلط درست کی بحث قبل از وقت ہے۔

مگر پھر بھی پی سی بی کی جانب سے یہ ایک جذباتی فیصلہ دکھائی دیتا ہے جس سے رجوع بہرحال کرنا ہی ہو گا کیونکہ اگلے چند مہینوں کے مصروف کیلنڈر، بالخصوص چیمپئنز ٹرافی کے ہنگام پاکستان ایسے میچ ونر کو ٹیم سے دور رکھنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

اگر فخر زمان اپنے جذبات پہ قابو رکھے رہیں اور معاملات مزید مخدوش نہ ہوں تو ان کی جلد واپسی خارج از امکان نہیں کہ ایسا قابلِ قدر کھلاڑی تیار کرنے میں جو محنت اور ہمت پڑتی ہے، اسے یوں بے وجہ گنوا دینا کوئی منافعے کا سودا نہیں۔

تزویراتی اعتبار سے اس سلیکشن میں پاکستان نے جو قابلِ تعریف فیصلے کیے ہیں، ان میں نمایاں ترین لیفٹ آرم چائنہ مین سپنرز فیصل اکرم اور عرفات منہاس کی شمولیت ہے۔ ماڈرن ون ڈے کرکٹ میں چائنہ مین سپنرز اہم ترین کردار ادا کرتے ہیں اور پچھلے برس ورلڈ کپ میں بھی یہ پاکستان کے لیے ایک نمایاں تکنیکی خلا ثابت ہوا تھا۔

ایک اور مثبت فیصلہ افتخار احمد سے آگے بڑھتے ہوئے عرفان خان نیازی پہ سرمایہ کاری کا ہے۔ اسی طرح شاداب خان کے حوالے سے بھی بالآخر وہ فیصلہ لے لیا گیا جو پچھلے ورلڈ کپ سے پہلے لینے کی ضرورت تھی اور سفیان مقیم کی تیاری کا سوچا گیا ہے۔

مسابقتی معیار میں اضافے اور بینچ کی قوت بڑھانے کے پیشِ نظر یہ بھی بہت عمدہ فیصلہ ہے کہ زمبابوے ٹور سے ان سبھی کھلاڑیوں کو آرام دیا گیا جنھیں دسمبر میں جنوبی افریقہ کے سخت جاں حالات کا سامنا ہو گا۔

مگر اتنے عمدہ فیصلوں کے باوجود پی سی بی نے اپنی پرانی شہرت پوری طرح ترک نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور جہاں فخر زمان کی فراغت سا جذباتی فیصلہ کیا، وہیں ایک ہی دن پہلے انگلینڈ کے خلاف سیریز جتوانے والے کپتان شان مسعود کو سینٹرل کنٹریکٹ کی بی کیٹگری میں رکھتے ہوئے بریکٹ میں یہ اضافہ بھی کر دیا کہ ’یہ کپتانی سے مشروط ہے۔‘

ایسے میں فقط دعا ہی کی جا سکتی ہے کم از کم محمد رضوان کے حوالے سے یہ فیصلہ کسی خاص بریکٹ سے مشروط نہ ہو جہاں ’شرائط و ضوابط لاگو ہیں‘ تحریر ہو کیونکہ پاکستان کرکٹ کو درست سمت میں بڑھنے کے لیے جو کپتان درکار تھا، اب اس کپتان کو بھی استحکام درکار ہو گا۔

کراچی میں جدیدیت کے بعد گدھا گاڑیوں کا دم توڑتا پیشہ

کراچی کے جنوبی حصے کے تنگ بازاروں میں آواز پیدا کرتی گدھا گاڑیاں عرصہ دراز سے مال کی ترسیل کے لیے لازمی ہوا کرتی تھیں کیونکہ بڑی گاڑیوں کے لیے بازاروں تک رسائی ممکن نہیں تھی۔

ایک زمانہ تھا جب پاکستان کے کاروباری مرکز کراچی میں بڑی تعداد میں گدھا گاڑیاں ہوا کرتی تھیں جو سامان کی ترسیل کا اہم ذریعہ تھیں۔ لیکن گدھوں کی خوراک کے بڑھتے اخراجات اور شہر کی پھیلتی ہوئی حدود نے ان گدھوں کو اس کام سے باہر کر دیا ہے۔

کراچی کے جنوبی حصے کے تنگ بازاروں میں آواز پیدا کرتی گدھا گاڑیاں عرصہ دراز سے مال کی ترسیل کے لیے لازمی ہوا کرتی تھیں کیونکہ بڑی گاڑیوں کے لیے بازاروں تک رسائی ممکن نہیں تھی۔ کم آمدنی والے مزدوروں کے لیے یہ بوجھ اٹھانے والے جانور روٹی روزی کا ذریعہ تھے۔ مگر بڑھتی ہوئی مہنگائی نے چارہ مہنگا کر دیا اور پھر شہر کی آبادی میں بے پناہ اضافہ ہو گیا جو قیام پاکستان سے پہلے کی آبادی سے تقریباً 50 گنا زیادہ ہے۔ اب طویل فاصلے ان جانوروں کی حد برداشت کا امتحان بن چکے ہیں۔

رلجہ نامی گدھے کے مالک، محمد مالک کے بقول: 'ہم نے باپ دادا کا کام جاری رکھا مگر میں چاہتا ہوں کہ میرے بچے پڑھیں اور کچھ اور کریں۔

27 سالہ عاطف روزانہ اپنے گدھے پر ساڑھے سات سو روپے خرچ کرتے ہیں جبکہ پہلے صرف دو سو روپے خرچ ہوتے تھے جو عاطف کے اپنے کھانے کی پلیٹ کی قیمت ہے۔

نو آبادیاتی دور کی بولٹن مارکیٹ میں کام کرنے والے عاطف نے بتایا کہ 'اب اس کام سے روزی کمانا مشکل ہو گیا ہے۔'

سرکاری تخمینے کے مطابق پاکستان میں تقریباً 60 لاکھ گدھے موجود ہیں یعنی ملک کے ہر 40 افراد کے لیے ایک گدھا ہے۔

مقامی جانوروں کے بیوپاری اسلم شاہ نے بتایا کہ زیادہ تر گدھے کراچی میں ہیں جو تقسیم ہند کے بعد نقل مکانی کی وجہ سے دو کروڑ سے زیادہ آبادی والا شہر بن گیا۔

69 سالہ اسلم شاہ نے کہا کہ اب گدھوں کی طلب کم ہو چکی ہے اور ہر اتوار کو لگنے والے جانوروں کے بازار میں بہت کم فروخت ہوتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ 'کبھی کبھی ہفتے اور مہینے گزر جاتے ہیں اور ہم ایک بھی گدھا فروخت نہیں کر پاتے۔'

بولٹن مارکیٹ میں دن کے وسط میں دکانیں کھلتی ہیں۔ خریداری کے بعد سامان لے جانے کے لیے لوگوں کی گدھا گاڑی کے مالک سے بات چیت شروع ہوتی مگر زیادہ تر گدھا گاڑیاں خالی رہتی ہیں۔

ان کے مالکان اور جانور بیکار بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ گدھا گاڑیاں کبھی سڑکوں پر اتنی عام تھیں کہ حکومت نے انہیں نمبر پلیٹس جاری کیں۔ مگر اب شہر میں نئی سڑکیں اور اوور پاس بن چکے ہیں جہاں ایسی گاڑیوں کا داخلہ ممنوع ہے جنہیں جانور کھینچتے ہیں۔

21 سالہ علی عثمان نے تین پہیوں والے موٹر رکشہ جس میں چاول کی بوریاں لادی جا رہی تھیں، کی طرف حسرت سے دیکھتے ہوئے کہا 'مجھے بتایا گیا ہے کہ کافی سامان لے جانا ہے اور مجھے سامان پہنچانے کے لیے شہر کے دوسرے کنارے تک جانا ہو گا۔ 'مجھے تین سے چار گھنٹے لگیں گے۔

اتنے وقت میں رکشہ دو چکر لگا لے گا۔ اس لیے مجھے کام نہیں دیا گیا۔ 'بد سلوکی کی وجہ سے گدھوں کے منہ کے قریب زخم بن جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے لیے چارہ کھانا مشکل ہو جاتا ہے۔

مگر کچھ لوگوں کو اب بھی یقین ہے کہ کراچی میں گدھے موجود رہیں گے۔

کراچی کے نجی پروجیکٹ اینیمل شیلٹر کی منیجر شیما خان نے کہا: 'ان مشکل حالات کے باوجود یہ جانور غیر رسمی معیشت کا ایک اہم حصہ ہیں۔ یہ اب بھی نقل و حمل کا سب سے سستا ذریعہ ہیں۔'

نرگس کا اپنے شوہر پر تشدد کا الزام

انسپکٹر ماجد نے سرکاری پستول سے میرے منہ پر وار کیے

پاکستانی اداکارہ نرگس نے اپنے شوہر کے خلاف لاہور میں گھریلو تشدد کا مقدمہ درج کروایا ہے جس میں ان کا الزام ہے کہ انسپکٹر ماجد بشیر نے انھیں متعدد بار تشدد کا نشانہ بنایا ہے۔

لاہور کے ڈیفنس سی تھانے میں انسپکٹر ماجد بشیر کے خلاف ایف آئی آر غزالہ ادریس (نرگس) کی مدعیت میں درج کی گئی ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ماجد بشیر نے اپنی اہلیہ سے فارم ہاؤس اور دیگر جائیداد ان کے نام کرنے کا تقاضہ کیا۔

صوبہ پنجاب میں وومن پروٹیکشن اتھارٹی کی چیئرپرسن حنا پرویز بٹ کے مطابق انھوں نے وزیراعلی پنجاب مریم نواز کی ہدایت پر نرگس سے ملاقات کی ہے۔

ایکس پر ایک بیان میں ان کا کہنا ہے کہ 'تشدد کے ایسے واقعات بالکل بھی قابل قبول نہیں۔ نرگس کو ہر صورت انصاف فراہم کیا جائے گا۔'

انھوں نے اور دوسرے پیغام میں کہا کہ 'شوہر ماجد بشیر کے خلاف مقدمہ درج، جلد گرفتار کرلیا جائے گا۔'

حنا پرویز بٹ کا کہنا ہے کہ نرگس کے لیے پروٹیکشن آرڈر جاری کیا گیا ہے اور ان کی حفاظت کے لیے پولیس تعینات کی گئی ہے۔

ایف آئی آر میں کیا ہے؟

لاہور میں درج ایف آئی آر کے مطابق اداکارہ نرگس کا کہنا ہے کہ 'ماجد بشیر نے سرکاری پستول سے میرے منہ پر لگاتار وار کیے، میرا منھ خون میں لت پت ہو گیا۔'

نرگس نے پولیس کو بتایا کہ انسپکٹر ماجد بشیر ان کے ایک نو کینال کے پلاٹ پر بھی قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے دعوٰی کیا کہ اس سے قبل بھی ان کے شوہر تین مرتبہ ان کو تشدد کا نشانہ بنا چکے ہیں۔

سوشل میڈیا پر شیئر کی جانے والی ویڈیوز میں اداکارہ کے چہرے اور ہاتھوں پر تشدد کے نشانات دیکھے جاسکتے ہیں۔

لاہور پولیس نے انسپکٹر ماجد بشیر کے خلاف مقدمہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 354 اور 506 بی کے تحت درج کی گئی ہے۔ دفعہ 354 خواتین پر مجرمانہ تشدد اور توہین کے حوالے سے ہے جبکہ دفعہ 506 بی کسی کو قتل یا نقصان پہنچانے کی دھمکی دینے سے متعلق ہے۔

پاکستان میں گھریلو تشدد کے حوالے سے متعدد قوانین لاگو نافذ ہیں لیکن اس کے باوجود بھی ملک میں سالانہ اس قسم کے ہزاروں واقعات رپورٹ ہوتے ہیں۔

سسٹین ایبل سوشل ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن (ایس ایس ڈی او) کی ایک رپورٹ کے مطابق گذشتہ برس 2023 میں صرف پنجاب میں خواتین پر تشدد کے 10 ہزار 201 واقعات رونما ہوئے تھے۔

نرگس کون ہیں؟

نرگس پاکستانی فلم انڈسٹری کے معروف ساؤنڈ ریکارڈنگ انجینیئر ادریس بھٹی کی بیٹی ہیں جنھوں نے لالی وڈ کی متعدد مشہور فلموں کے لیے میوزک ریکارڈ کیا۔

انھوں نے اپنے کیریئر کی پہلی فلم سنہ 1992 میں کی تھی جس کا نام ناگن

کینیڈین شہریت رکھنے والی اداکارہ نرگس ماضی میں اس وقت خبروں کی زینت بنیں جب انھوں نے سنہ 2000 کی دہائی کے اوائل میں متنازع پولیس افسر عابد باکسر پر تشدد کا الزام لگایا تھا۔ اسٹیج اداکارہ نرگس کے ساتھ ان کے تعلقات کی خبریں اور پھر کچھ اختلافات کی بنیاد پر مبینہ طور پر اداکارہ کا سر منڈوانے کا واقعہ مہینوں تک خبروں میں رہا۔

سپیرا تھا اور اس فلم میں ان کے ساتھ محمد افضل ریمبو نے مرکزی کردار ادا کیا تھا۔

بعد میں انھوں نے جنت، سالا بگڑا جائے، عروسہ، لیلٰی، آج کی لڑکی، انسانیت، اولاد کی قسم، وارث، میڈم رانی، دشمن زندہ رہے، دیور دیوانے، دنیا دیکھے گی، چلتی کا نام گاڑی، کرسی اور قانون، کڑی منڈا راضی، چوریاں، لونگ دا لشکارا، کندن اور یار چن ورگا جیسی فلموں میں کام کیا۔

نرگس نے اب تک سو سے زائد فلموں میں کام کیا ہے۔ سید نور کی فلم چوڑیاں میں نرگس پر بارش میں پکچرائز کیا ہوا گانا اس قدر مقبول ہوا کہ سٹیج کے گلوکار اپنے مکالموں میں اس کا اب تک حوالہ دیتے ہیں۔

نرگس اور ماجد بشیر کی شادی تقریباً آٹھ برس پہلے ہوئی تھی۔

گذشتہ برس لاہور رنگ نامی چینل کو دیے گئے ایک انٹرویو میں نرگس نے کہا تھا کہ انھوں نے شوبز انڈسٹری کو خیرباد کہنے کے بعد اپنے شوہر ماجد بشیر کے مشورے پر ایک بیوٹی سیلون کھول لیا تھا۔

اس انٹرویو کے دوران ان کے شوہر ماجد بشیر نے کہا تھا کہ سات سال قبل شادی سے پہلے 'میری پہلی شرط یہی تھی کہ میں شوبز کے ساتھ (اگر نرگس شوبر انڈسٹری نہیں چھوڑتیں تو) شادی نہیں کروں گا۔'

کینیڈین شہریت رکھنے والی اداکارہ نرگس ماضی میں اس وقت خبروں کی زینت بنیں جب انھوں نے سنہ 2000 کی دہائی کے اوائل میں متنازع پولیس افسر عابد باکسر پر تشدد کا الزام لگایا تھا۔

اسٹیج اداکارہ نرگس کے ساتھ ان کے تعلقات کی خبریں اور پھر کچھ اختلافات کی بنیاد پر مبینہ طور پر اداکارہ کا سر منڈوانے کا واقعہ مہینوں تک خبروں میں رہا۔

تاہم عابد باکسر نے نرگس پر تشدد کرنے کے الزام کی تردید کی تھی۔ ایک انٹرویو کے دوران نرگس کے ساتھ اپنے افیئر سے متعلق بات کرتے ہوئے عابد باکسر نے کہا تھا کہ جب وہ سبزہ زار تھانے میں بطور ایس ایچ او تعینات تھے تو وہاں نرگس سے ایک تفتیش کے دوران اُن سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔

انھوں نے کہا تھا کہ 'میں نے نرگس کے بال نہیں منڈوائے تھے مگر ڈانٹا ضرور تھا۔ انسان سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ اس واقعے پر نرگس اور اپنے گھر والوں سے معافی مانگ چکا ہوں اور سنہ 2002 کے بعد سے میرا نرگس سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔'

ماضی میں نرگس پر رقص کے دوران مبینہ طور پر فحاشی پھیلانے کا الزام بھی لگا اور ان کی گرفتاری بھی عمل میں آئی تھی۔

تاہم لالی وڈ میں سینکڑوں فلموں اور سٹیج ڈراموں میں کام کرنے والی نرگس نے چند برسوں پہلے شوبر انڈسٹری کو خیرباد کہہ دیا تھا۔

پی آئی اے کیلئے صرف 10 ارب روپے کی بولی

کیا 'با کمال لوگوں کی ایئرلائن کی نجکاری میں حکومت بری طرح پھنس گئی؟

'با کمال لوگ۔۔۔لاجواب پرواز' پاکستان کے معروف شاعر فیض احمد فیض نے یہ جملہ پاکستان کی قومی ایئرلائن پی آئی اے کے لیے لکھا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب دنیا بھر سے نہ صرف مسافر اس فضائی سروس کے ذریعے سفر کرنے کو فخر سمجھتے تھے بلکہ بہت سی خلیجی ریاستوں کی فضائی کمپنیوں کے عملے کی تربیت سازی بھی اس قومی ادارے کے سپرد تھی۔

مگر پھر وقت کی اڑان تیز اور پی آئی اے کی سروس سست اور معیار گرتا چلا گیا۔ اگرچہ اس کی بہت سی سیاسی و معاشی وجوہات رہی مگر ان پر بات کسی اور وقت کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔

وقت کے ساتھ ساتھ یہ جملہ تبدیل ہوا اور 'با کمال لوگ۔۔۔لاجواب سروس' قومی ایئرلائن کی گرتی سروس پر طنز بن کر رہ گیا اور اس طنز نے بہت سے مواقع پر حقیقت کی شکل بھی اختیار کی۔

ایسا ہی کچھ رواں ہفتے جمعرات کو بھی ہوا جب زبوں حالی اور اربوں روپے خسارے کے نیچے دبی ہوئے اس قومی ادارے کی نجکاری کے لیے بولی لگائی گئی۔

آئی ایم ایف کے ساتھ معاہدے کے تحت پاکستان کو اپنے خسارے میں چلنے والے چند قومی اداروں کی نجکاری کرنا ہے اور اسی سلسلے میں قومی ایئرلائن کی نجکاری کے سلسلے میں جمعرات کو اسلام آباد میں بولی لگائی گئی۔

پاکستان کے نجکاری کمیشن کی جانب سے بولی سے قبل اس کی کم از کم قیمت 85 ارب روپے رکھی گئی تھی تاہم پاکستان کی قومی ایئرلائنز پی آئی اے کی نجکاری کے سلسلے میں ایک نجی کمپنی کی طرف سے اسے محض 10 ارب روپے میں خریدنے کی پیشکش کی گئی ہے۔

تاہم اس کمپنی کی جانب سے اس بولی کا جائزہ آنے والے کچھ دنوں میں پاکستان کی وفاقی کابینہ لے گی۔ یعنی یہ فیصلہ ابھی بھی ہونا باقی ہے کہ آیا اس بولی کو منظور کیا جائے گا یا مسترد۔

رواں ہفتے پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز (پی آئی اے) کے ساٹھ فیصد حصص کی فروخت کے لیے ریئل اسٹیٹ ڈویلپمنٹ کمپنی 'بلیو ورلڈ سٹی' نے 85 ارب روپے کی کم از کم قیمت کے مقابلے میں صرف 10 ارب روپے کی بولی جمع کرائی، جو ریفرنس پرائس کا تقریباً 12 فیصد حصہ بنتا ہے۔

پی آئی اے گذشتہ کئی برسوں سے خسارے کا شکار ہے اور اس کا شمار حکومتی سرپرستی میں چلنے والے ان اداروں میں ہوتا ہے جو قومی خزانے کو سالانہ اربوں روپے کا نقصان پہنچاتے ہیں۔

گذشتہ ادوار میں انتظامی تبدیلیوں کے ذریعے بہتری لانے کی تمام تر کوششوں کے بعد پی آئی اے کی نجکاری کی کئی کوششیں بھی ناکام ہوئی ہیں۔

> "نجکاری کمیشن کے ایک سینیئر عہدیدار نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ نجکاری کمیشن کے مالیاتی امور کے ماہر تمام تر حساب کتاب لگا کر نجکاری کمیشن کے بورڈ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پھر نجکاری کمیشن کا بورڈ اسے کابینہ میں پیش کرتا ہے۔"

اب پی آئی اے کی فروخت کے لیے بولی تو جمع کر دی گئی ہے تاہم آفر کی جانے والی رقم انتہائی کم ہونے کی وجہ سے کہا جا رہا ہے کہ غالباً پاکستان کی وفاقی کابینہ نجکاری کمیشن کے بورڈ کی تجویز پر عمل کرتے ہوئے اسے مسترد کر دے گی۔

جمعرات کو ریفرنس پرائس سے کم بولی لگائے جانے کے بعد کابینہ کمیٹی برائے نجکاری (سی سی او پی) نے پی سی بورڈ کی جانب سے پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز کے 60 فیصد حصص کی تقسیم کے لیے تجویز کردہ ریفرنس قیمت کی توثیق کی جو بولی کی دستاویز کی شرائط و ضوابط کے ساتھ مشروط ہے۔

بی بی سی نے ماہرین، نجکاری کمیشن کے حکام، بلیو ورلڈ سٹی اور پی آئی اے کے حکام سے بات کر کے یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ قومی ایئرلائن کی نجکاری کے لیے 85 ارب کی رقم کیسے مختص کی گئی؟ بلیو ورلڈ سٹی نے اس کے مقابلے میں صرف 10 ارب روپے کی پیشکش کیوں کی اور کیا اب پی آئی اے کی نجکاری مزید مشکلات کا شکار ہو جائے گی؟

85 ارب بولی کی ریفرنس پرائس کا فیصلہ کس بنیاد پر کیا گیا؟

نجکاری کمیشن کے ایک سینیئر عہدیدار نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ نجکاری کمیشن کے مالیاتی امور کے ماہر تمام تر حساب کتاب لگا کر نجکاری کمیشن کے بورڈ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پھر نجکاری کمیشن کا بورڈ اسے کابینہ میں پیش کرتا ہے۔

انھوں نے بتایا کہ '85 ارب روپے کی ریفرنس پرائس بھی اسی عمل کے تحت طے کی گئی۔'

اس بارے میں پی آئی اے کے ترجمان عبداللہ حفیظ خان کا اس متعلق کہنا ہے کہ قومی ایئرلائن کے پاس اس وقت 33 طیارے ہیں جن میں 17 اے 320، 12 بوئنگ 777 اور چار اے ٹی آر شامل ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ 'حکومت کی مقرر کردہ بولی کی قیمت پی آئی اے کی مجموعی بک ویلیو یعنی کتابی قیمت پر مبنی ہے جبکہ اثاثوں کی اصل قیمت کتابی قیمت سے زیادہ ہو سکتی ہے کیونکہ بک ویلیو کا حساب سالانہ کمی کے بعد لگایا جاتا ہے اور بعض اوقات مارکیٹ میں قیمت کے اضافے کی وجہ سے اصل قیمت کتابی قیمت سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہے۔'

انھوں نے کہا کہ 'اس وقت پی آئی اے کے مجموعی اثاثوں کی بک ویلیو (کتابی قیمت) تقریباً 165 ارب روپے اور 60 فیصد شیئرز کی مالیت تقریباً 91 ارب روپے بنتی ہے۔ حکومت نے خریداروں کو راغب کرنے کے لیے کم از کم بولی 85 ارب روپے مقرر کی۔'

اس ضمن میں بی بی سی نے پاکستان کے وفاقی وزیر نجکاری علیم خان، وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات عطا تارڑ اور وفاقی نجکاری کمیشن کے سیکرٹری عثمان اختر باجوہ سے متعدد بار رابطہ کرنے کی کوشش کی تاہم ان کی جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

رپورٹ: عمیر خان

غیر قانونی تعمیرات کے خلاف آپریشن ڈی جی ایس بی سی اے عبدالرشید سولنگی کے بیانات تک محدود

گلبرگ ٹاؤن کرپٹ افسران کی سرپرستی میں بلڈر بے لگام

گلبرگ ٹاؤن عزیز آباد میں غیر قانونی تعمیرات کی بھرمار، سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے ایریا افسران کی ملی بھگت سے علاقہ انفرااسٹرکچر بری طرح تباہ و برباد، علاقہ پارکنگ، پانی اور سیوریج جیسے دیگر مسائل کا گڑھ بن کر رہ گیا، راشی افسران اور بلڈروں نے علاقے کو رہائشی پلاٹوں پر کمرشل ایکٹویٹی کا گھنا جنگل بنا کر رکھ دیا ہے، ڈی جی ایس بی سی اے کی جانب سے غیر قانونی تعمیرات کے خلاف آپریشن بیانات تک محدود ہے جسکا ثبوت زمین پر موجود ہے گلبرگ ٹاؤن کے مختلف بلاکس 2، 14 اور بلاک 15 میں بلڈر حضرات دھڑلے سے راشی افسران کو فی پلاٹ بخشش دے کر وائلیشن کرنے میں مصروف ہیں، بلاک 15 بلاک 14 بلاک 2 میں پلاٹ نمبر R879 اور 880 بلاک 2 میں دو منزلہ رہائشی پلاٹ کمرشل فلیٹ یونٹس کا کام آخری مراحل پر ہے پلاٹ نمبر 1889 بلاک 2 میں بغیر نقشہ پاس فلیٹ کی تعمیرات کی جاری ہے جبکہ پلاٹ نمبر 547 بلاک 2 میں بلڈر بلا خوف علاقے کا انفرااسٹرکچر تباہ کرنے میں مصروف سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے افسران بھاری رشوت کے عوض خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں اور گلبرگ ٹاؤن جیسے پوش علاقے کو بلڈنگوں کا جنگل بنا دیا۔ پلاٹ نمبر آر 1017 بلاک 8 میں پلاٹ نمبر 667 بلاک 2 میں دو منزلہ عمارت کی تعمیرات جاری ہے۔

[redacted]

قید خانوں اور تھانوں کا قیام اور مقصد: موجودہ صورتحال اور اصلاح کی ضرورت

تحریر: عبدالغفور سروہی

آئین اور قانون کے تحت، قید خانوں اور تھانوں کا قیام اس مقصد کے لیے کیا گیا تھا کہ قیدیوں کو اصلاح کا موقع اور نئی زندگی شروع کرنے کی امید فراہم کی جائے۔ قید خانوں کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ قیدی اپنی غلطیوں سے سبق سیکھیں، اپنے ذاتی اور سماجی کردار کو سنواریں اور ایک بہتر زندگی کا آغاز کریں۔ دنیا بھر میں قید خانوں کو انسانی حقوق کے احترام اور قیدیوں کی بحالی کے مراکز کے طور پر سمجھا جاتا ہے، لیکن ہمارے ملک میں قید خانوں اور تھانوں کی موجودہ حالت اس مقصد سے بہت دور اور قابل تشویش تصویر پیش کر رہی ہے۔

قید خانوں میں انسانی حقوق کی پامالی اور قیدیوں کی حالت

سندھ کے قید خانوں، خاص طور پر سکھر، لاڑکانہ، نواب شاہ اور حیدر آباد کے قید خانوں میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔ قیدیوں کو مناسب خوراک، بنیادی صحت کی سہولتیں اور صفائی کا انتظام میسر نہیں۔ یہ صورتحال قیدیوں کی ذہنی اور جسمانی صحت پر منفی اثر ڈال رہی ہے۔ اس کے علاوہ، امیر اور غریب قیدیوں کے درمیان برتاؤ میں نمایاں فرق انسانی عزت اور انصاف کے اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔

سیاسی اور غیر سیاسی قیدیوں میں تفریق اور ناانصافی

سیاسی اور غیر سیاسی قیدیوں کے درمیان تفریق ایک اہم مسئلہ ہے۔ سیاسی قیدیوں کو بڑے کمرے، مختلف سہولتیں اور خصوصی آرام فراہم کیے جاتے ہیں، جبکہ عام قیدیوں کو بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم رکھا جاتا ہے۔ یہ فرق نہ صرف ناانصافی ہے بلکہ معاشرے میں نفرت اور ناانصافی کے بیج بوتا ہے۔

قید خانے کے قوانین پر عمل درآمد کی کمی

آئین کے تحت، قید خانوں کو تربیت، تعلیم اور صحت کی فراہمی کے مراکز کے طور پر چلایا جانا چاہیے، لیکن اس پر عمل درآمد کی سخت کمی ہے۔ اس کمی کی وجہ سے قیدیوں کی بنیادی ضروریات متاثر ہو رہی ہیں اور قید خانوں میں ظلم اور استحصال کا ماحول پیدا ہو رہا ہے۔

قید خانوں کے نظام میں خرابی کی بنیادی وجوہات

قید خانوں میں خرابیوں کی بڑی وجوہات کرپشن، نااہلی اور سیاسی مداخلت ہیں۔ قید خانے کا عملہ قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرتا ہے اور سیاسی دباؤ کے باعث کچھ قیدیوں کو ترجیح دی جاتی ہے، جو قید خانوں کے اصولوں اور مقاصد کی خلاف ورزی ہے۔ مزید برآں، کرپشن کی وجہ سے قیدیوں کو بنیادی حقوق تک رسائی میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس سے قید خانے کا ماحول مزید زہر آلود ہو جاتا ہے۔

اصلاح کے لیے تجاویز

1: سخت قانونی عمل درآمد اور جوابدہی کا نظام: قید خانوں کے قوانین پر سختی سے عمل درآمد کے لیے ایک مضبوط نظام قائم کیا جائے، جو قیدیوں کے بنیادی حقوق کی فراہمی کو یقینی بنائے اور انتظامیہ پر نظر رکھے۔

2: تعلیمی اور تربیتی پروگرامز: قید خانوں میں مختلف تعلیمی اور فنی تربیتی پروگرامز کا آغاز کیا جائے تاکہ قیدی اپنی زندگی میں مثبت تبدیلی لائیں اور معاشرے کے مفید شہری بن سکیں۔

3: انسانی اور ہمدردانہ رویہ: قید خانے کے عملے کو قیدیوں کے ساتھ انسانی اور ہمدردانہ سلوک کرنے کی تربیت دی جائے تاکہ قیدیوں کو بلا ضرورت اذیت اور ذلت سے محفوظ رکھا جاسکے۔

4: تفریق کا خاتمہ: قیدیوں کے درمیان ہر قسم کی تفریق اور تعصب کو ختم کر کے سب کے لیے برابر کی سہولتیں فراہم کی جائیں، جو انسانی حقوق اور انصاف کا بنیادی اصول ہے۔

5: سیاسی مداخلت کی روک تھام: قید خانوں میں سیاسی مداخلت کو مکمل طور پر روکا جائے تاکہ قیدیوں کے ساتھ غیر جانبدارانہ اور انصاف کی بنیاد پر برتاؤ ممکن ہو سکے۔

حاصل کلام

سندھ کے قید خانوں میں قیدیوں کی حالت ایک قومی مسئلہ بن چکی ہے، جس کے لیے فوری توجہ اور اصلاحی اقدامات کی ضرورت ہے۔ قید خانوں کو حقیقی معنوں میں اصلاحی مراکز بنانے سے قیدیوں کو عزت اور انسانیت کے ساتھ زندگی گزارنے کا موقع مل سکتا ہے اور معاشرے میں امن و انصاف کا پیغام بھی پھیل سکتا ہے۔ حکومت اور انسانی حقوق کی تنظیموں کو اس مسئلے کو اپنی ترجیح میں شامل کر کے قیدیوں کو نئی زندگی فراہم کرنے کے لیے موثر اور مضبوط اقدامات کرنے چاہئیں۔

اعلان تقرری

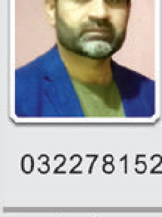

غلام شبیر کو ماہنامہ کرائم بیورو کا چنیوٹ میں بیورو چیف مقرر کیا گیا ہے تمام ادارے خبروں اور اشتہارات کے لیے ان سے رابطہ کریں۔ موبائل نمبر 03227815215

ادارہ کرائم بیورو

ملیر ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے مرکزی کردار عرفان بیگ نے سسٹم کے گھناؤنے کاروبار کو بے نقاب کر دیا

عرفان بیگ کیخلاف سسٹم چلانے والوں کی ایما پر نیب کراچی، اینٹی کرپشن کے ساتھ دیگر تحقیقاتی ادارے بھی متحرک، تنگ کرنے کیلئے بار بار طلب کرنا شروع کر دیا

رپورٹ: اسلم شاہ

ملیر ڈیولپمنٹ اتھارٹی کا طاقتور سسٹم باغی بن گیا، سسٹم کو ننگا کرنا شروع کر دیا۔ مبینہ طور پر سسٹم کا مرکزی کردار عرفان بیگ کی ایک آڈیو میں اتھارٹی میں ہونے والے غیر قانونی کاموں کا پردہ چاک کرتے ہوئے سسٹم کی موجودگی کا اعتراف جرم بھی کیا ہے اور اپنی بے بسی کا اظہار بھی کیا ہے۔ اس سلسلے میں مزید انکشافات کی توقع ہے تاہم سسٹم کے کرتا دھرتاؤں کے اشارے پر سسٹم کے اہم کردار کے باغی ہونے پر ان کے خلاف اچانک نیب کراچی، اینٹی کرپشن کے ساتھ دیگر تحقیقاتی ادارے متحرک ہوگئے ہیں اور انہیں تنگ کرنے کیلئے بار بار طلب کرنا شروع کر دیا ہے، ان کے تمام زیر التواء کیسوں کی از سر نو تحقیقات کھول دی گئی ہیں۔ یاد رہے کہ مبینہ طور پر سسٹم کی سرپرست ایک خاتون ہیں جس کی وجہ سے لینڈ مافیا آزاد گھوم رہے ہیں اور نیب سمیت کسی ادارے میں لینڈ مافیا کے خلاف کسی قسم کی کاروائی کی ہمت ہی نہیں ہے۔ مصدقہ ذرائع کی اطلاعات ہیں کہ اب دوبارہ لینڈ مافیا نے زمینوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس دوران میں قومی احتساب بیورو (نیب) کراچی نے ملیر ڈیولپمنٹ اتھارٹی کی تیسر ٹاون اسکیم 45 میں سرکاری سرپرستی میں 1868 ایکڑ زمینوں پر قبضہ ہونے کی تحقیقات شروع کر دی ہیں لیکن سندھ حکومت کے بڑوں کی سرپرستی کی وجہ سے ان کے نتائج آنا مشکل نظر آ رہا ہے۔ یہ زمینیں جعلی کاغذات اور نام نہاد بدلے کی زمینوں کے نام پر بورڈ آف ریونیو سندھ نے الاٹ کی تھی۔ سرکاری رپورٹ میں عرفان بیگ اتھارٹی کے سب سے بڑے بااثر اور سسٹم کا مرکزی کردار ہے ان کے پاس ڈائریکٹر لیگل، ڈائریکٹر اسٹیٹ، ڈائریکٹر انفورسمنٹ، ڈائریکٹر لینڈ اور سیکریٹری کی حیثیت سے بیک وقت کئی عہدے تھے اور وہ کئی عہدوں کے ساتھ اپنے فرائض ادا کر رہے تھے، لیکن اچانک ان کے تقرری اور ڈگری کی جانچ پڑتال کی تو ان کی ڈگری کے ساتھ ان کی گریڈ 19 تک میں تمام ترقی اور ٹرانسفر جعلی ثابت ہو گئی تھی۔ سابق ایڈیشنل چیف سیکریٹری نجم شاہ کی نگرانی میں ہونے والی تحقیقات پر انہیں ان کے اصل گریڈ 5 میں ان کے اصل مدر محکمہ ڈی ایم سی جنوبی بھیج دیا گیا تھا، لیکن کیونکہ سسٹم مافیا انتہائی طاقتور ہے اس لیئے ان نے اس تحقیقات کے برخلاف عرفان بیگ کی تقرری دوبارہ ملیر ڈیولپمنٹ اتھارٹی میں کردی جو تا حال گریڈ 19 میں انجوائے کر رہے ہیں حالانکہ انہیں کئی ماہ سے ان کو تمام عہدوں سے ہٹایا دیا گیا تھا لیکن ان کی تنخواہ برابر جاری، جس پر ادارے کے ڈائریکٹر جنرل بھی حیرت زدہ تھے۔ مبینہ طور پر آڈیو میں عرفان بیگ نے اعتراف جرم کیا ہے کہ زمینوں پر قبضہ تا حال جاری ہے البتہ رشوت اور کمیشن کے فنڈز نہیں مل رہے ہیں، جبکہ ہم سسٹم کے ایماء پر درجنوں متنازعہ زمینوں کے لیئے الاٹمنٹ پلان جاری کر دیے ہیں۔ سسٹم کے مرکزی کردار عرفان بیگ نے بتایا کہ دیہہ تا گن میں جعلی کلیم پر 1330 ایکڑ اراضی الاٹ کر دی گئی ہے اور قبضہ مافیا نے اس کا لے آوٹ پلان بھی پاس کر دیا گیا ہے جبکہ یہ کیس تا حال نیب کراچی میں زیر التواء ہے۔ مبینہ طور پر مشہور زمانہ بدنام لینڈ گریبر آدم جو کھیو اور دیگر کے خلاف تیسر ٹاون اسکیم 45 میں 300 ارب روپے مالیت کی 1330 ایکڑ اراضی جعلی زمین کے بدلے دی گئی ہے اور سسٹم کے تحت اتھارٹی نے ریگولرائز کر دیا ہے۔ ذرائع کے مطابق نیب کراچی نے سروے سپرینٹنڈنٹ کراچی اور بورڈ آف ریونیو کے افسران سے براہ آدم جو کھیو کے دیہہ تا گن منگھو پیر غربی ضلع میں 1330 ایکڑ اراضی کی غیر قانونی الاٹمنٹ، جعلی و بوگس اندراج، ریکارڈز آف رائٹس کے تمام دستاویزات طلب کیئے تھے لیکن وہ سب جعلی پیش کیئے گئے۔ خود سسٹم نے بھی اس کو جعلسازی، دھوکہ دہی کے ساتھ مجرمانہ فعل قرار دیا تھا۔ نیب کراچی کا کہنا ہے کہ سرکاری سرپرستی میں تمام گھٹ وڈ نمبر 11,12,13,14,15,16&17 دیہہ تا گن تعلقہ منگھو پیر غربی ضلع میں اراضی الاٹمنٹ ریکارڈ میں اراضی آدم جو کھیو کو الاٹ کر دی گئی ہے اور بااثر شخصیات اور سسٹم کی مبینہ سرپرست کی ایما پر زمین کا قبضہ بھی دے دیا گیا ہے، جبکہ سیکٹر B-6 میں 182 ایکڑ اراضی، سیکٹر 9 میں 130 ایکڑ اراضی، سیکٹر A-28 میں 165 ایکڑ اراضی، سیکٹر 31 میں 50 ایکڑ اراضی، سیکٹر A-38 میں 146 ایکڑ اراضی، سیکٹر 45 میں 118 ایکڑ اراضی، سیکٹر 46 میں 80 ایکڑ اراضی، سیکٹر A-49 میں 22 ایکڑ اراضی، سیکٹر 56 میں 50 ایکڑ اراضی، سیکٹر 85 میں 185 ایکڑ اراضی پر قبضہ ہو چکا ہے، تمام اراضی مختلف سیکٹر میں پبلک ہاوسنگ، رہائشی و تجارتی، بلڈنگز، کوآپریٹو سوسائٹیز اور بلند و بالا عمارتوں کے لئے مختص تھی۔ عرفان بیگ کا کہنا ہے کہ قبضہ ہو رہا ہے، پیسے لیا جا رہا ہے لیکن بدنام ہم ہو رہے ہیں۔ نل کا پانی ملتا نہیں، لیکن اس کے باوجود تمام متنازعہ قبضہ کی زمینوں کا لے آوٹ پلان پاس کر دیا گیا ہے۔ ان کے فنڈز کہاں جا رہے ہیں، اس سلسلے میں انہوں نے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے ان کا کہنا ہے کہ اس سسٹم کے ساتھ چلتے ہوئے بھی ہمارے کوئی کام نہیں ہو رہے ہیں۔ ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا ہے، ہمارا کوئی پرسان حال نہیں، میری ایک ملازمت کی انکوائری بھی حل نہ ہو سکی اور ہم مقدمات کا سامنا کر رہے ہیں، اور جو کام ہوئے ان کی انکوئری بھی ہم بھگتیں گے، اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو ہمارے گھروں کا حال بھی کوئی نہیں پوچھے گا۔ سسٹم کے مرکزی کردار عرفان بیگ کے پیغام نے سسٹم کو چیلنج کر دیا ہے اور اتھارٹی کی زمینوں اور دیگر غیر قانونی کاموں کا گھناؤنا کاروبار بے نقاب کر دیا ہے۔ مبینہ طور پر کراچی میں سسٹم کے نگران تیمور ڈوگی اور سابق ڈپٹی کمشنر محمد علی شاہ ہیں، اس کے مرکزی کردار کینیڈا سے ہدایت جاری کرنے والے یونس سیٹھ عرف یونس میمن ہیں جن کے ساتھ دیگر کردار بھی شامل ہیں جبکہ کئی کردار وقت کے ساتھ شامل ہوتے جا رہے ہیں۔

اعلان تقرری

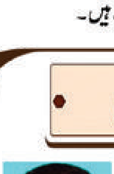

ساجد علی شاہ کو ماہنامہ کرائم بیورو کا چنیوٹ میں ڈسٹرکٹ رپورٹر مقرر کیا گیا ہے تمام ادارے خبروں اور اشتہارات کے لیے ان سے رابطہ کریں۔

موبائل نمبر 0320 2061122

آرمی چیف کی مدت ملازمت 05 سال کرنیکی ضرورت کیوں پیش آئی؟

وزیر دفاع خواجہ آصف کا کہنا ہے کہ پاکستان کے آرمی چیف جنرل عاصم منیر نومبر 2027 تک اس عہدے پر موجود رہیں گے جس سے 'نظام کو تسلسل ملے گا۔'

بی بی سی اردو سے گفتگو کرتے ہوئے خواجہ آصف کا کہنا تھا کہ ماضی میں فوجی آمروں سمیت کئی آرمی چیفس نے 'خود اپنے آپ کو ایکسٹینشن دی' تاہم 'اب ہم نے مسلح افواج کے تینوں بازوؤں کے لیے قانون بنادیا ہے۔ ہم نے اس میں کوئی تفریق نہیں کی ہے۔'

خیال رہے کہ پاکستانی پارلیمان کے دونوں ایوانوں قومی اسمبلی اور سینیٹ نے مسلح افواج کے سربراہان کی مدت ملازمت تین سال سے بڑھا کر پانچ سال کرنے کی منظوری دی ہے۔

بری فوج، بحریہ اور فضائیہ کے سربراہان کی مدت ملازمت بڑھانے کے لیے متعلقہ اداروں کے قوانین میں ترامیم کو پہلے ایوان زیریں قومی اسمبلی نے منظور کیا اور پھر فوراً سینیٹ کے اجلاس میں بھی انھیں منظور کرلیا گیا۔

اس دوران دونوں ایوانوں میں اپوزیشن ارکان نے نعرے بازی کی۔ قومی اسمبلی کے اجلاس میں حزب اختلاف کی جماعتوں کی جانب سے مسلسل احتجاج اور 'نو نو' کے نعرے لگائے گئے۔ جبکہ سینیٹ کے اجلاس میں خواجہ آصف کی تقریر کے دوران 'شرم کرو، حیا کرو' کے نعرے لگے۔

اس بل میں ترمیم کے بعد پاکستان کی بری فوج میں جنرل کی ریٹائرمنٹ کے قواعد کا اطلاق آرمی چیف پر نہیں ہو گا۔ یعنی تعیناتی، دوبارہ تعیناتی یا ایکسٹینشن کی صورت میں آرمی چیف بطور جنرل کام کرتا رہے گا۔

یاد رہے کہ اس سے قبل آرمی ایکٹ کے تحت آرمی چیف سمیت تمام سروسز چیفس کی مدت ملازمت تین سال مقرر تھی اور ایگزیکٹیو کے اختیارات کے تحت آرمی چیف کو تین سال کی ایکسٹینشن دی جاتی رہی تھی۔

آخری بار مدت ملازمت میں توسیع سابق آرمی چیف جنرل قمر جاوید باجوہ کو دی گئی تھی اور ان کی ایکسٹینشن کی منظوری کے لیے پارلیمنٹ میں ایک متفقہ قرارداد بھی منظور کی گئی تھی جس کے بعد ایگزیکٹیو نے ان کی مدت ملازمت میں تین سال کی توسیع کردی تھی۔

آرمی چیف کی مدت ملازمت پانچ سال کرنے کی ضرورت کیوں پڑی؟

وزیر دفاع خواجہ آصف نے بی بی سی کو بتایا کہ 'پاکستان میں ایکسٹینشن کا سلسلہ ایوب خان کے دور میں شروع ہوا۔ اس کے بعد آٹھ، نو آرمی چیفس کو ایکسٹینشن دی گئی۔ ایوب خان، ضیا الحق، مشرف نے خود اپنے آپ کو ایکسٹینشن دی۔۔۔ یہ ساری ایکسٹینشنز افراد کے لیے تھیں۔ اب ہم نے اس حوالے سے قانون واضح کردیا ہے۔'

اس سوال پر کہ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی، خواجہ آصف نے کہا کہ موجودہ حالات میں تسلسل کی ضرورت ہے اور یہ ضروری ہے کہ جو بھی مسلح افواج کا سربراہ ہو وہ اسمبلی اور دیگر اداروں کی پانچ سالہ مدت کی طرح مناسب وقت کے لیے بہتر دفاعی منصوبہ بندی کرسکے۔

وزیر دفاع نے کہا کہ سروس چیفس کی مدت میں طوالت سے نظام کو استحکام ملے گا اور یہ توقعات کے مطابق چل سکے گا۔ انھوں نے واضح کیا کہ 'آرمی چیف کی تعیناتی کا اختیار اب بھی ہمارے (حکومت کے) پاس ہی ہے۔'

'ہم نے گنجائش نکالی ہے کہ کوئی کامن گراؤنڈ نکالا جائے۔ ہم نے نظام کو قانونی اور آئینی شکل میں ڈھالا ہے تاکہ قانون کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔'

اسی طرح وزیر اطلاعات عطا اللہ تارڑ نے سروس چیفس کی مدت ملازمت کے تعین کو اچھا اقدام قرار دیتے ہوئے اس کا دفاع کیا ہے۔ ان کے بقول یہ ایکسٹینشن نہیں بلکہ 'مدت ملازمت کا تعین' ہے۔

نجی ٹی وی کے پروگرام 'آج شاہزیب خانزادہ کے ساتھ' میں گفتگو کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ 'یہ اچانک نہیں ہوا، اس پر قانونی مشاورت جاری تھی۔ وزیر اعظم اور اتحادی جماعتوں سے مشورہ کیا گیا۔ اس کے بعد ترمیم لائی گئی۔ اس پر تنقید بے جا ہے۔'

انھوں نے مزید کہا کہ یہ قانون سازی کسی فرد کے لیے نہیں بلکہ عہدے اور ادارے کے لیے کی گئی ہے۔

اس سے قبل مشیر برائے سیاسی امور رانا ثنا اللہ نے حکومتی اقدام کا دفاع کرتے ہوئے کہا تھا کہ 'ویسے بھی آرمی چیفس کی مدت چھ سال عام ہے۔ آپ سمجھیں کہ ایک سال کی کمی ہوئی ہے۔'

دوسری طرف قائد حزب اختلاف عمر ایوب نے کہا کہ سروس چیفس کی مدت ملازمت میں توسیع 'ملک اور مسلح افواج کے لیے اچھی چیز نہیں' اور اس سے کئی افسران کی حق تلفی ہو گی۔

انھوں نے متنبہ کیا کہ یہی قانون سازی کل وزیر اعظم شہباز شریف کے خلاف بھی استعمال ہو سکتی ہے۔

جبکہ سابق وزیر اعظم عمران خان کی جماعت تحریک انصاف کے سربراہ بیرسٹر گوہر خان نے کہا کہ جس طریقے سے قانون سازی کی گئی 'وہ غلط ہے۔'

صحافی کامران خان نے ججز کی تعداد میں اضافے اور سروس چیفس کی مدت ملازمت پانچ سال مقرر کرنے کو 'تسلسل' اور 'استحکام' سے تشبیہ دی ہے۔ اسی طرح کاروباری شخصیت فراز عابد لاکھانی نے آرمی چیف کی مدت ملازمت میں توسیع کے حوالے سے کہا کہ 'پاکستان استحکام کے ایک نئے دور میں داخل ہو رہا ہے۔'

انھوں نے کہا کہ اس تبدیلی سے پالیسی اور گورننس میں تسلسل آئے گا۔

جان اچکزئی نے آرمی چیف کی مدت ملازمت میں توسیع کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ 'یوں سروس چیفس کو وقت ملے گا تاکہ وہ اپنی اہم پالیسیاں اور منصوبے تکمیل تک پہنچا سکیں۔'

ایشیا گروپ سے منسلک عزیر یونس نے نئی قانون سازی کی روشنی میں تبصرہ کیا کہ اب تکنیکی اعتبار سے موجودہ آرمی چیف جنرل عاصم منیر 2032 تک اپنے عہدے پر رہ سکتے ہیں۔'

تاہم کئی صارفین نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ ایسی قانون سازی جمہوریت پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔

آئینی ماہر ڈاکٹر مریم ایس خان کہتی ہیں کہ 'جبری گمشدگیوں سے سروس چیفس کے لیے طویل مدت ملازمت تک، ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہائبرڈ ریاست اب نیا آئینی سمجھوتہ بن چکی ہے۔'

سماجی کارکن اسامہ خلجی نے مسلم لیگ ن کی حکومت اور اس کی اتحادی جماعت پیپلز پارٹی پر طنز کرتے ہوئے کہا کہ اب 'تاحیات سپریم کمانڈر کے پاس آئین میں ترمیم، ججز کی تعیناتی اور وزیر اعظم کے چناؤ کا اختیار ہو گا۔ یہ ترامیم اب بورنگ ہوتی جا رہی ہیں۔'

ایک صارف نے اس بات پر حیرت ظاہر کی کہ یہ ایسا ملک میں ہو رہا ہے جہاں 'ایک حکومت مشکل سے پانچ سال کی مدت پوری کرپاتی ہے۔'

صارف باقر سجاد پوچھتے ہیں کہ یہ ذہنیت اب تک کیسے پنپ رہی ہے کہ 'پاکستان کے آرمی چیف کی مدت ملازمت قومی استحکام کے مترادف ہے؟'

اسی طرح قانونی ماہر صلاح الدین احمد نے طنزیہ انداز میں لکھا کہ 'یہ سویلین بالادستی اور پارلیمانی جمہوریت کے لیے اچھا دن ہے۔۔۔ صوبائی خود مختاری اور چارٹر آف ڈیموکریسی کو یقینی بنایا جاسکے گا۔'

حیدر عباسی نے کو یہ سن کر افسوس ہوا کہ 'آرمی چیف کی مدت ملازمت کم کرکے پانچ سال کردی گئی ہے۔'

بعض صارفین نے وزیر اعظم شہباز شریف اور پیپلز پارٹی کے سربراہ بلاول بھٹو زرداری کو یہ مشورہ دیا کہ 'اچھے بچے بن کر رہیں اور ڈیلیور کریں، ورنہ!'

شاہِ برطانیہ کے قتل کی ناکام کوشش اور سازش میں ملوث افراد کے جسم کے ٹکڑے کرنیکی سزا جو بغاوت کی علامت بنی

یہ ماسک آج کی دنیا میں ریاست کے انسانیت سوز، آمرانہ اور غیر جمہوری رویوں کے خلاف احتجاج اور شہری آزادیوں، سماجی انصاف اور حقوق کی آواز کی علامت بن چکا ہے۔

اس ماسک کو سنہ2005 کی فلم 'وی فار وینڈیٹا' سے شہرت ملی۔ بعد میں امریکہ اور برطانیہ سمیت عالمی طاقتوں کے خلاف سائبر حملے کرنے والے ہیکر گروپ 'انونیمس' نے بھی اسی ماسک کے پیچھے پناہ لی۔

اس نسبت سے یہ 'وی فار وینڈیٹا ماسک' اور 'انونیمس ماسک' بھی کہلایا جانے لگا۔

21ویں صدی میں پہچان خفیہ رکھنے والا یہ ماسک ماضی کے برطانیہ میں مذہبی منافرت، عدم رواداری اور تشدد کے ایک تاریک دور کو بے نقاب کرتا ہے۔ جسے سمجھنے کے لیے ہم چند صدیاں پیچھے چلتے ہیں۔

چہرے پر پھیلی مسکراہٹ، سُرخ گال، اُوپر کو تنی ہوئی مونچھیں اور اُلٹا تکون بناتی چھوٹی سی داڑھی۔۔۔

ماضی کے اس سفر کے دوران میں تین تاریخی اشخاص کے بارے میں جاننا ضروری ہے:

رابرٹ کیٹسی: کیتھولک مسیحی انگریز اور گن پاؤڈر سازش کے سرغنہ

گائے فاکس: کیتھولک مسیحی انگریز۔ بارود کے ماہر ہونے کے سبب سازش کی تکمیل انھی کو کرنا تھی

شاہ جیمز اوّل: برطانیہ کے پروٹیسٹنٹ مسیحی فرماں روا جو اس سے پہلے سکاٹ لینڈ کے بادشاہ تھے۔

5 نومبر1605 کے روز شاہ برطانیہ جیمز اوّل، اپنے قتل کی سازش سے بے خبر، نئی پارلیمنٹ کا افتتاح کرنے کے لیے دارالامرا یعنی ہاؤس آف لارڈز آنے والے تھے۔

یہ عمارت وسطی لندن میں قائم اُسی پارلیمنٹ بلڈنگ کا حصہ ہے جس کے ایک جانب دریائے ٹیمز بہتا ہے اور بغل سے 'بگ بین' گھڑیال ہر گزری ساعت کا پتا دیتا ہے۔

اب اس ماسک کی طرف واپس آتے ہیں جس کا اصل نام 'گائے فاکس ماسک' ہے۔ اسے گائے فاکس کے پتلے یعنی ایفجی سے متاثر ہو کر بنایا گیا تھا۔

یہ پتلا ہر سال پانچ نومبر کو 'گائے فاکس نائٹ' یا 'بونفائر نائٹ' کا جشن مناتے ہوئے نذرِ آتش کیا جاتا ہے۔

مگر ایسا کیوں؟ یہ اس لیے کہ گائے فاکس شاہِ برطانیہ جیمز اوّل اور حکومتی ارکان کے قتل کے منصوبے کے سب سے زیادہ مشہور کردار ہیں۔

شاہِ برطانیہ کے قتل کی سازش کیوں کی گئی؟

سنہ1532 میں شاہِ برطانیہ ہنری ہشتم (ہنری دی ایٹھ) کیتھولک فرقہ چھوڑ کر پروٹیسٹنٹ بن گئے اور اسے سرکاری مذہب قرار دے دیا۔

برطانیہ کے لیے اس فیصلے کے نتائج بہت دور رس ثابت ہوئے۔ خدشہ تھا کہ اگر حکمراں پروٹیسٹنٹ ہوتا تو کیتھولک مسیحیوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی اور جب کیتھولک اقتدار حاصل کرتے تو پروٹیسٹنٹ کے لیے جینا مشکل ہو جاتا۔

بات ہو رہی تھی گن پاؤڈر سازش اور گائے فاکس ماسک میں تعلق کی۔

سنہ1603 میں پروٹیسٹنٹ کنگ جیمز اوّل تخت نشین ہوئے تو کیتھولک پیروکاروں کو لگا کہ اُن پر ہونے والے ظلم اور ایذا رسانی کو سرکاری سرپرستی حاصل ہو گئی ہے۔

رابرٹ کیٹسی نے چند ہم خیال لوگوں سے مل کر بادشاہ سمیت پروٹیسٹنٹ اسٹیبلشمنٹ کے اہم ارکان کے قتل کا منصوبہ بنایا۔

کیٹسی پہلے ہاؤسز آف پارلیمنٹ کے نیچے سرنگ کھود کر اس میں بارود بھرنا چاہتے تھے۔ پھر انھیں پتا چلا کہ ہاؤس آف لارڈز کے بالکل نیچے ایک تہہ خانہ یا چیمبر کرائے پر دستیاب ہے۔

وہ خود یا اُن کے ساتھی بارود کے استعمال سے واقف نہیں تھے۔ انھیں ایک ایسے قابل اعتماد ساتھی کی تلاش تھی جو بارود کو بروقت آگ لگا کر پوری بلڈنگ کو اُڑا دے۔

انھیں یہ ساتھی گائے فاکس کی صورت میں مل گیا۔

گائے فاکس جو بغاوت کی علامت بنے

گائے فاکس سنہ1570 میں انگلینڈ کے علاقے یورک میں ایک پروٹیسٹنٹ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ وہ آٹھ سال کے تھے کہ والد کی وفات ہو گئی۔ ماں نے ایک کیتھولک سے دوسری شادی کر لی۔ گائے فاکس کیتھولک تعلیمات سے متاثر ہو گئے۔

21 برس کی عمر میں وہ انگلینڈ چھوڑ کر ہسپانوی کیتھلک آرمی میں بھرتی ہو گئے اور آٹھ سال تک جاری جنگ کا حصہ رہے۔ اس دوران انھوں نے بارود کے استعمال میں مہارت پائی۔

پانچ نومبر1605 کو پارلیمنٹ کے افتتاح سے صرف چند گھنٹے پہلے منصوبے کے مطابق گائے فاکس اپنی لالٹین لیے ہاؤس آف لارڈز کے نیچے بنے تہہ خانے یعنی چیمبر میں صبح ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

مگر سازش پکڑی گئی اور وہ رنگے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔

ہوا یہ کہ سازش میں شریک ایک شخص نے ہاؤس آف لارڈ کے ایک کیتھولک رکن کو گمنام خط کے ذریعے اُس روز پارلیمنٹ سے دور رہنے کا مشورہ دیا۔ اس رکن نے یہ خط بادشاہ کو بھجوا دیا۔ یوں سازش پکڑی گئی۔

گائے فاکس کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ تہہ خانے میں کیا کرنے گئے تھے تو انھوں نے بڑی جرات سے کہا: 'میں سکاٹس بادشاہ اور اس کے سکاٹش امرا کو اُڑا کر واپس سکاٹ لینڈ بھیجنا چاہتا تھا۔'

سازش کی ناکامی پر انھوں نے افسوس کا اظہار بھی کیا۔

گائے فاکس کو تفتیش کے لیے ٹاور آف لندن بھجوا دیا گیا۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ مکمل راز اُگلوانے کے لیے تیسرے درجے کے ٹارچر (یعنی انتہائی تشدد) سے بھی گریز نہ کیا جائے۔

جسم کے چار ٹکڑے کرنے کی سزا

تین روز تک دی جانے والی اذیت کے سامنے گائے فاکس کو زبان کھولنا پڑی۔ 12 نومبر تک اُن کے باقی ساتھی پکڑے گئے یا فرار کی کوشش میں مارے گئے۔

گرفتار کیے گئے تمام افراد بغاوت کے مجرم قرار پائے۔ انھیں پھانسی پر لٹکانے، اس دوران پیٹ چیر کر انتڑیاں نکالنے اور مرنے کے بعد جسم کے چار ٹکڑے کرنے کی سزا سنائی گئی۔

30 اور31 جنوری1606 کو ان سزاؤں پر عمل کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ گائے فاکس نے مزید اذیت سے بچنے کے لیے تختہ دار سے چھلانگ لگا کر اپنی گردن توڑ ڈالی تھی۔

یوں وہ اذیت سے تو بچ گئے مگر ملک کے مختلف حصوں میں اُن کے جسم کے ٹکڑوں کی نمائش کی گئی تاکہ دیکھنے والے عبرت حاصل کریں۔

اسی سال بادشاہ نے شکرانے کے طور آبزرونس آف نومبر ایکٹ1605 کا نفاذ کر کے خصوصی چرچ سروس، آتش بازی اور آگ کے الاؤ روشن کر کے جشن منانے کا رواج متعارف کروایا۔

ڈھائی سو سال سے زیادہ عرصے تک اس قانون پر عمل ہوتا رہا۔ اس دوران یہ عوامی ثقافت اور معیشت کا حصہ بن چکا تھا۔

اِس روز کی نسبت سے گائے فاکس کا نقاب پوش پتلا جلانے کا بھی آغاز ہوا۔

گائے فاکس اور ان کے ساتھیوں کو قبر تو نصیب نہیں ہوئی مگر اس قانون نے انھیں عوامی شعور اور یادداشت میں زندہ رکھا۔

گذشتہ صدی کے وسط میں فائر ورکس نائٹ اور گائے فاکس ڈے ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر استعمال ہونے لگے۔

چار صدیاں بعد گائے فاکس ماسک بغاوت کی علامت سے ظلم اور جبر کے خلاف احتجاج اور مزاحمت کی علامت بن گیا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اگر گن پاؤڈر سازش کامیاب ہو جاتی تو آج برطانیہ کا مذہب مختلف ہوتا۔ مگر یہ سچ ہے کہ کبھی کبھی کوئی ایک واقعہ تاریخ کا رُخ موڑنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

CRIME
CRIME STOPPERS
PROUD TO SERVE
SINDH POLICE
POLICE
کرائم بیورو
عبدالرؤف نوڑھیو
ڈی ایس پی (گاڑھو، ٹھٹھہ)
غلام قادر سرکی
انسپکٹر (ڈسٹرکٹ بدین)
QADIR
فیصل رحیم
انچارج پولیس چوکی (غریب نواز)
M. FAISAL
CRIME SCENE DO NOT CROSS

عکاشہ جٹ
0311-7538844

چوہدری حاجی بھولا جٹ
0300-6627435

ضیاء فاسٹ فوڈ پوائنٹ

ہوم ڈلیوری
فری

چک نمبر 202 ریب گٹی سکول محلّہ
افضل پارک مین بازار الباکستان